اخلاقیات

11

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بُک بورڈ، لاہور

منظور کردہ: وفاقی وزارت تعلیم (شعبہ نصاب سازی) حکومت پاکستان، اسلام آباد۔
موجب سرکلر نمبر F.6-8/2009 مورخہ 01 مارچ 2011
تیار کردہ: پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

اس کتاب کا کوئی حصہ نقل یا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اسے ٹیسٹ پیپرز، گائیڈ بکس، خلاصہ جات، نوٹس یا امدادی کتب کی تیاری میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1۔	**مذاہب کا تعارف**	2-15	4۔	**آداب**	53-57
•	مذہب کی تعریف مختلف ماہرین کی نظر میں		•	کام کی جگہ کے آداب	
•	مذہب کی جامع تعریف		•	خدمت گار کے آداب	
•	مذہب کی سماجی، فلسفیانہ اور نفسیاتی تفہیم		•	ملاقاتی کے آداب	
•	مذہب پر معاشرے کے اثرات				
2۔	**پاکستان میں مختلف مذاہب**	16-41	5۔	**مشاہیر**	58-74
•	اسلام		•	عبدالستار ایدھی	
•	مسیحیت		•	مدر ٹریسا	
			•	جمشید سروان جی مہتا	
3۔	**اخلاقی اقدار**	42-52		**فرہنگ**	75-78
•	اجتماعی عدل اور مساوات				
•	معاشرتی ادارے				
	• ریاستی ادارے				
	• سماجی ادارے				

مصنفین: • ڈاکٹر عبداللہ شاہ ہاشمی • ڈاکٹر محمد شفیع مرزا

ڈائریکٹر (مسوّدات): فریدہ صادق **ڈپٹی ڈائریکٹر (گرافکس):** انجم واصف

نگران/ایڈیٹر: لئیقہ خانم

کمپوزنگ: عرفان شاہد **ڈیزائننگ:** سمیرا اسماعیل

ناشر: **مطبع:**

تاریخ اشاعت | ایڈیشن | طباعت | تعداد اشاعت | قیمت

پیش لفظ

خدا تعالیٰ نے انسان کو صرف اشرف المخلوقات بنایا بلکہ حقائق کے ادارک کے لیے فہم و دانش عطا کی جس کی بنیاد پر وہ سمجھتا ہے کہ اچھے اخلاق ہی انسانیت کا بنیادی جوہر ہیں، اگر انسان میں اخلاقی کمزوریاں پیدا ہو جائیں تو وہ انسانیت کے درجے سے گر جاتا ہے اور ساری عقل و دانائی اور مادی ترقی کے باوجود وہ حیوان سے بدتر ہو جاتا ہے۔ اسی لیے تعلیم کا ایک بنیادی کردار انسان کو زیورِ اخلاق سے آراستہ کرنا قرار پایا ہے۔

تاریخ کے مختلف ادوار میں مذاہب نے انسان کی اخلاقی تربیت کی ہے اور انسان کو روحانی سہارا بھی دیا ہے۔ اس سے جہاں معاشرے پُرسکون اور پُرامن رہے، وہاں انسان کو عظمت، عزت اور وقار بھی نصیب ہوا۔ حقیقت میں وہ تمام روایات، رسوم اور اقدار جو سلامتی کے راستے کی طرف لے جاتی ہیں، ان سب کا سرچشمہ مذاہب ہیں۔ وہ تمام نیک لوگ جو انسانیت کے لیے درد دِل رکھتے ہیں اور ہمیشہ خدمتِ خلق میں پیش پیش رہتے ہیں، وہ سب کسی نہ کسی مذہب کے پیروکار ہوتے ہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے، جس میں اکثریت مسلمانوں کی ہے، لیکن ہندو، مسیحی، سکھ، پارسی اور دیگر مذہبی اقلیتیں بھی موجود ہیں۔ ان اقلیتوں میں ہندو اور مسیحی بڑی اقلیتیں ہیں جب کہ سکھ مذہب کے پیروکاران سے کم ہیں۔ تشکیل پاکستان سے لے کر اب تک یہ اقلیتیں پاکستان کے پُرامن شہری ہیں اور جنھیں آئینی طور پر مذہبی آزادی حاصل ہے۔

عالمی مذاہب وہ سرچشمہ فیض ہیں، جن سے عالمِ انسانیت نے روحانی پیاس بجھائی ہے۔ یہ بنی نوع انسان کے اتحاد، باہمی یگانگت اور ہم آہنگی کا ذریعہ بھی ہیں۔ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور مذاہب ان کو یک جا کرتے ہیں۔ بھارت کے فلسفی ڈاکٹر رادھا کرشنن نے کہا تھا کہ جو انسانوں کو جوڑے وہ دھرم ہے اور جو توڑے وہ ادھرم ہے۔ مذاہب فطرت کے قریب، بلکہ بعض مذاہب سراسر فطرت ہیں۔ یہ انسان کو محبت، رواداری اور یگانگت کا درس دیتے ہیں۔

اخلاقیات کی اس کتاب میں ایسا مواد شاملِ نصاب کیا گیا ہے کہ مذاہب کی ترویج و ترقی میں معاشرے کا کردار کیا ہوتا ہے اور مذاہب کس طرح معاشرے میں مثبت تبدیلیوں کے لیے پیش رفت کرتے ہیں۔ اسی طرح اجتماعی عدل اور مساوات کے لیے سماجی اداروں کی کارکردگی، وحدتِ ادیان کے تصورات اور سائنس اور مذاہب جیسے اہم موضوعات شامل ہیں۔ کتاب میں بڑے بڑے مذاہب کے اعتقادات اور ان کی تعلیمات کی تفصیلات بتائی گئی ہیں۔ ان کے مطالعہ کے بعد طلبہ اندازہ کر سکیں گے کہ بنی نوع انسان کی اصلاح کے لیے مذاہب نے کیا کردار ادا کیا ہے اور یہ کہ تمام مذاہب انسان کو نہ صرف اچھے اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں بلکہ اس کی تربیت بھی کرتے ہیں۔

عملی زندگی میں قدم رکھتے ہی ہم میں سے ہر ایک کو معاشرے کے دیگر افراد سے واسطہ پڑتا ہے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اچھے روّیے بہتر تعلقات کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ کتاب میں بتایا گیا ہے کہ رواداری، حُسنِ اخلاق اور مہذب ہونے کے لیے ہمیں کن آداب کا خیال رکھنا چاہیے۔ اسی طرح کتاب میں ایسے مشاہیر کی زندگی اور فکر کا ذکر کیا گیا ہے جو آزادی، خودداری، دردمندی اور خدمتِ خلق کے سلسلے میں ہمارے لیے قابلِ تقلید ہیں۔ ان میں نیلسن منڈیلا، عبدالستار ایدھی، مدر ٹریسا، ڈاکٹر محمد یونس، نجیب محفوظ اور جمشید نسروان جی مہتا جیسی شخصیات شامل ہیں۔

پاکستان کی ترقی، خوش حالی اور باوقار قوموں کی صف میں کھڑا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ یہ ملک اندرونی طور پر، پُرامن اور متحد ہو اور ملک کے تمام باشندے، خواہ ان کا تعلق اکثریت سے ہو یا اقلیت سے، وہ یکسو ہو کر باہمی اتحاد اور یگانگت سے اس کی ترقی کے لیے کام کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے روشن مستقبل کے لیے مذہبی ہم آہنگی بہت ضروری ہے۔ رواداری، برداشت، محبت و یگانگت اور دوسروں کے مذہب کا احترام انسانیت کا زیور بھی ہیں اور ملکی ترقی و خوش حالی کی ضمانت بھی۔

مصنفین

باب 1

مذاہب کا تعارف

مذہب کی تعریف مختلف ماہرین کی نظر میں:

سر ای بی ٹیلر(Sir E. B.Taylor) نے مذہب کی تعریف میں بیان کیا ہے:

"Religion means the belief in spiritual beings."

جرمن حکیم گسلر بیان ہے۔"مذہب ابدی چیز ہے۔" مذہب جس احساس کا نتیجہ ہے وہ کسی زمانے میں کبھی معدوم نہیں ہوسکتا۔"

فرانسیسی رینان (Renan) لکھتا ہے:"تمام اشیا مٹ جائیں لیکن یہ ناممکن ہے کہ مذہب دنیا سے معدوم ہوجائے یا اس کی قوت میں زوال آجائے اور مذہب اس بات کا ثبوت دے گا کہ مادی مذہب غلط ہے۔"

پروفیسر لیوبا (Leuba) نے مذہب کی نفسیاتی تحقیقات کی ہیں۔ ان میں سے تین تعریفیں درج ذیل ہیں۔

1۔ مذہب نام ہے ان مافوق الانسانی قوتوں کی رضاجوئی کا جو انسانی زندگی پر حکمران ہیں۔

2۔ مذہب نام ہے ایک ازلی اور ابدی حقیقت پر ایمان لانے کا جس کی مشیت اور جس کا ارادہ انسانی مشیت اور ارادے سے بالاتر ہے اور جس کا تعلق انسان کی زندگی کے ساتھ ہمیشہ گہرا ہے۔

3۔ مذہب ایک روحانی اور نفسی احساس ہے جس کی بنیاد یہ عقیدہ ہے کہ انسان اور کائنات میں باہمی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اب اگر علیحدہ علیحدہ غور کیا جائے تو پہلی تعریف میں زیادہ تاکید عمل اور کردار کی ہے اور دوسری میں زیادہ زور مذہبی عقیدے یا ایمان پر دیا گیا ہے اور تیسری تعریف کا خاص جزو کردار یا ایمانیات نہیں بلکہ نفسِ انسانی کا نظام تاثر ہے۔ عمل، ایمان اور انسان کا مذہب سے تاثر یہ تینوں مذہب کے لازمی عناصر ہیں۔ ان تینوں میں ہم آہنگی ضروری ہے۔ یہ تعریفیں علیحدہ علیحدہ تعریفیں نہیں بلکہ حقیقت میں مذہب کے ایک ایک پہلو کو ظاہر کرتی ہیں۔ گویا یہ مذہب کے تمام پہلوؤں پر حاوی نہیں ہیں۔ بغیر عملِ صالح کے عقیدہ ایمان سے اتنا ہی دُور ہے جتنا کہ بغیر ایقان اور ایمان کے اخلاقی عمل دور ہوتا ہے۔

کانٹ (Kant) کہتا ہے کہ ہر فریضہ کو خدائی حکم سمجھنا یہ مذہب ہے۔

مذہب کی جامع تعریف:

"مذہب، اعتقاد کی اس قوت کا نام ہے جس سے انسان کا باطن پاک ہوجاتا ہے یعنی مذہب ان صداقتوں کے مجموعہ کا نام ہے جن میں یہ قوت ہوتی ہے کہ وہ انسان اور انسانی کردار میں انقلاب پیدا کردیں بشرطیکہ انھیں خلوص کے ساتھ قبول کیا جائے اور بصیرت کے ساتھ سمجھا جائے۔"

مذہب کے لغوی معنی راستہ اور طریقہ کے ہیں۔ مذہب حق کی تلاش، اپنی ذات کی پہچان اور وصالِ الٰہی کی منزل تک پہنچنے کا طریقہ بتاتا ہے۔ مذہب ہم سب کو رواداری، محبت اور اتحاد کا درس دیتے ہیں۔ مذاہب کی تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مذہب نے

انسانی معاشرت سنوارنے اور اخلاقی قدریں اُبھارنے کی کوشش کی ہے۔ انسان کی نجی اور اجتماعی زندگی پر کسی اور عنصر نے اتنے گہرے اثرات مرتب نہیں کیے، جتنے مذہب نے کیے ہیں۔

مذہب انسانی فطرت کا حصّہ ہیں۔ ہم لاکھ انکار کریں، یا اس سے دُوری اختیار کریں، لیکن یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ مذاہب نے انسانی زندگی پر مثبت اثرات مرتب کرتے ہیں ۔ یہ زندگی میں نظم اور ترتیب پیدا کرتے ہیں۔ مذہب ہماری معاشرتی زندگی کا ایسا ناگزیر عنصر ہے کہ انسانی تاریخ کے ہر دور میں یہ فلسفے، علم الانسان، سماجیات اور نفسیات کا موضوع رہا ہے۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم مذہب کو محض ایک سماجی ادارے کے طور پر نہ دیکھیں بلکہ اس کی برتر حیثیت کو بھی تسلیم کریں۔

1۔ سماج/معاشرہ کی تعریف:

معاشرہ کا نظریہ صرف انسانوں سے وابستہ ہے۔ جانوروں کی تہذیب نہیں ہوتی۔ کیوں کہ جانور فطری قوانین کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں اور ان کی کوئی سماجی تعلیمات نہیں ہوتیں۔ جانور فطرت اور جبلت کی راہ نمائی میں زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ اپنے لیے جیتا اور مر جاتا ہے۔ نہ اس کا کوئی معاشرہ ہوتا ہے نہ اسے ڈھالنے کی اس کے اندر کوئی تمنا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس انسانی زندگی کا تصور معاشرے کے بغیر ناممکن ہے۔ جانور کی زندگی میں کسی مقصد کا تصور نہیں ہوتا جب کہ انسانوں کی زندگی کی معنویت کا علم ان کے معاشرے کے مطالعے سے ہوتا ہے، کہ زندگی کیا ہے اور اس کی حیثیت کیا ہے؟ جب انسان آنکھ کھولتا ہے تو اپنے اطراف ایک معاشرہ پاتا ہے۔ اس معاشرے کے کچھ تصورات اور روایات ہوتی ہیں۔ اس کی شخصیت کی تعمیر میں اس کا سماج اور تہذیب ایک اہم رول ادا کرتی ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ انسان ایک سماجی جانور ہے۔ معاشرے کا تصور تہذیب کے بغیر ممکن نہیں اس لیے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ انسان ایک تہذیبی وجود رکھتا ہے۔ انسان جس وقت دنیا میں آتا ہے اس وقت سے لے کر قبر میں پہنچنے تک اس پر سماج کے اثرات مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ انسان کے تصورات زندگی، طرز زندگی، اخلاقیات، اقدار، اظہار مافی الضمیر کے طور طریقے سماج سے شعوری اور غیر شعوری طور پر وہ لیتا رہتا ہے اور اس کی توجیہ بھی کرتا ہے۔ ہر انسان بعد کی نسلوں کو مادی ورثہ کے علاوہ تہذیبی ورثہ بھی دیتے ہیں۔ انسان صرف سماج سے تہذیب لیتا نہیں بلکہ اپنے وقت کی تہذیب پر اپنی سوچ، فکر، خیالات اور اپنی تحقیقات کی روشنی میں اپنے معاشرہ اور زندگی کو بہتر بنانے کے اثرات چھوڑتا ہے۔ یہ خوش گوار الجھاؤ اور یہ پیچیدگی صرف انسانوں سے وابستہ ہے۔

2۔ فلسفہ کی تعریف:

انسان ذہنی طور پر کچھ نہ کچھ جاننے کی جستجو کرتا ہے۔ جیسے جیسے علمی اور فکری مسائل حل ہوتے جاتے ہیں ویسے ویسے فکر کے نئے دریچے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ انسان حیرانی اور استعجاب کی گہرائیوں میں گرتا ہے تو پھر فلسفہ ہی اسے اس فکری بھنور سے باہر نکالتا ہے۔ اسی لیے یونانی فلسفی افلاطون نے کہا تھا کہ فلسفے کی ابتدا حیرت و تعجب اور اس سے پیدا ہونے والی ذہنی الجھنوں کو دور کرنے کی کوشش سے ہوتی ہے۔ انسان کا شعور بتدریج پختہ ہوتا جاتا ہے، شعور کی بلندیاں انسان کی حیرانی میں مزید اضافہ کرتی ہیں۔ فلسفہ اس حیرانی کو دور کرتا ہے اور اس کے ذہن میں پیدا ہونے والے حیران کن سوالات کے جواب تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

فکر عموماً اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان کو کوئی ذہنی مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔کسی فکری مسئلے کا حل جبلی طور پر ممکن نہیں۔ جب انسان کسی مشکل مسئلہ اور اس کے جوابی فعل کے درمیان وقفہ میں مخصوص ذہنی عمل سے گزرتا ہے تو اسی ذہنی عمل کو فکر کہتے ہیں جو جبلتِ تجسس کی تسکین کرتی ہے۔ یہی ذہنی عمل ان مخصوص حالات اور ماحول میں انسان کو سوچنے پر مجبور کرتا ہے جسے ہم فلسفیانہ سوچ و بچار کہتے ہیں۔ ہر شخص کی سوچ کی ایک سطح ہوتی ہے جسے انفرادی یا ذاتی فلسفہ کہا جا سکتا ہے۔کسی شخص کا انفرادی نقطۂ نظر یا ذاتی فلسفہ،عقائد اور اقدار پر مبنی ہوتا ہے جبکہ منظم اور کائناتی فلسفہ میں منطقی ربط اور تسلسل پایا جاتا ہے۔

فلسفی وہ لوگ ہوتے ہیں جو ہر طرح کی ازلی و ابدی اور عدیم التغیر اشیا و نظریات کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ہم تاریخِ فلسفہ کو تین بڑے ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔دورِ اول قدیم دور ہے جس میں فلسفوں کی تقسیم اس طرح ہے۔ہندی فلسفہ، چینی فلسفہ، ایرانی فلسفہ، مصری فلسفہ اور یونانی فلسفہ شامل ہیں۔دورِ ثانی ازمنۂ وسطیٰ کے نام سے جانا جاتا ہے جس میں مسلم فلسفہ،عیسائی فلسفہ اور عبرانی فلسفہ اہم ہیں، دورِ ثالث میں فلسفہ جدید اور پسِ جدیدیت شامل ہیں۔دورِ اوّل میں یونانی فلسفیوں میں تھیلیز، ہرا کلائٹس، ایمپیڈو کلیز ، پارمینڈیز، فیثاغورث، پروٹاغورس،سقراط،افلاطون اور ارسطو کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ان عظیم یونانی فلسفیوں نے میدانِ فلسفہ میں کمال نظریات پیش کیے جو ابھی تک تازہ ہیں۔

دورِ ثانی یعنی ازمنۂ وسطیٰ کے مسلمان فلسفیوں میں الکندی، الفارابی، ابن سینا، ابن مسکویہ، امام الغزالی، ابنِ ماجہ، ابنِ طفیل، ابنِ رشد، امام ابوبکر رازی، ابنِ خلدون اور ابنِ عربی آسمانِ فلسفہ پر چمکتے ستارے ہیں جنھوں نے متعدد فلسفیانہ اور مذہبی مسائل کو حل کرنے کی کوشش جاری رکھی۔اسی طرح دورِ ثالث میں فلسفہ جدید اور پسِ جدیدیت کے معروف فلسفیوں میں ڈیکارٹ، کانٹ، ہیگل، نٹشے ، برگساں، رسل، وائیٹ ہیڈ، وٹگن سٹائین، دریدا اور چومسکی وغیرہ مشہور ہیں۔

انسان ہمیشہ حقیقت جاننے کی تگ و دو کرتا رہتا ہے، جو یقیناً ہمیشہ جاری رہے گی۔ ہر دور میں سچائی کی تلاش اور اسے حاصل کرنے کی خواہش میں مسلسل جدوجہد کرنے کا نام فلسفہ ہے۔انسان جب کوئی نئی شے دیکھتا یا آواز سنتا ہے تو حیران ہوتا ہے۔یہ حیرانی کا عمل اس کے ذہن میں سوالات پیدا کرتا ہے،سوچ و بچار اور فکر پیدا کرتا ہے۔اسی حیرانی سے فلسفے کی ابتدا ہوتی ہے سوچ و بچار اور فکر کا نام ہی فلسفہ ہے۔
افلاطون نے کہا ہے: "Philosophy begins with wonder"

جدید دور میں فلسفے کا مفہوم مزید ترقی پا گیا ہے۔فلسفے کے دو اہم کام یا افعال ہیں۔پہلی ترکیب (Synthesis) اور دوسری تحلیل یا تجزیہ (Analysis) ہے۔فلسفہ بکھری ہوئی سوچ کے تانے بانے بُنتا ہے ترکیب کا کام ایک دائرے کے اندر رہ کر فکری مغالطے ختم کر کے سوچ کی اکائیاں یکجا کرنا ہے جس سے اجزا کی اہمیت کو کل کے ساتھ ان کی وابستگی کے حوالے سے اجاگر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح تحلیل (Analysis) کے عمل سے اشیا، نظریات اور تعقلات کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔تجزیہ سے اصل حقائق اور حیثیت سے شناسائی حاصل ہوتی ہے۔ تجزیہ ہو یا ترکیب یہ دونوں خصوصی حیثیت کے حامل اعمال ہیں۔کوئی عمومی ذہنی سطح کا شخص ایسا کمال نہیں دکھا سکتا۔فلسفہ صرف فلسفیوں کے لیے ہوتا ہے۔

تمام علوم کی ابتدا فلسفہ ہی سے ہوئی ہے جو شخص طبیعیات ، کیمیا، طب ، ہندسہ، موسیقی ،نفسیات ، معاشیات ،فلکیات ، مابعد الطبیعیات غرضیکہ تمام علوم پر دسترس رکھتا ہے اسے دانا، حکیم یا فلسفی کہا جاتا ہے۔وہ عقلی اور فکری لحاظ سے دوسروں سے برتر ہوتا ہے۔فلسفہ ہی سے تمام علوم نکلے ہیں۔کانٹ (Comte) نے اسی لیے فلسفے کو ام العلوم کہا تھا یعنی فلسفہ تمام علوم کی ماں ہے۔

مذہب کی سماجی، فلسفیانہ اور نفسیاتی تفہیم

انسان کو زندگی گزارنے کے لیے ہمیشہ کسی نہ کسی لائحہ عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ طریقۂ کار نظم یا لائحہ عمل عظیم ہستیوں کا وضع کردہ ہوتا ہے، لیکن بہت سے لوگ اَن دیکھی ہستی یعنی خالقِ کائنات پر یقین رکھتے ہیں، اُسی کے احکامات مانتے ہیں اور پیروی کرتے ہیں۔ خدا کے احکامات، ہدایات اور زندگی گزارنے کے طریقے کو مذہب کہا جاتا ہے۔

مذہب ہمیں خدا کا انسان اور کائنات سے تعلق، ماضی کے واقعات، حال اور مستقبل کے لیے رشد و ہدایات اور اعلیٰ زندگی کا شعور عطا کرتا ہے۔ جس کے مطابق معاشرتی، ثقافتی، معاشی اور اخلاقی مسائل حل کیے جاتے ہیں۔

مذہب کی حقیقت کیا ہے؟ مذہب کیوں ضروری ہے؟ مذہبی قوانین میں کیا حکمت و دانائی پنہاں ہے؟ کیا مذہب لوگوں کی ضرورت ہے؟ کیا مذہب خدا کی طرف سے نازل کردہ احکامات پر مبنی ہوتا ہے یا پھر انسان نے خود ایسے اصول وضع کیے ہیں جنھیں مذہب کا نام دیا جاتا ہے؟ یہ تمام ایسے سوالات ہیں جن کے جواب صرف اور صرف فلسفی ہی دے سکتا ہے۔ ذہن میں پیدا ہونے والے دیگر سوالات کی طرح مذہبی مُوشگافیاں بھی فلسفے ہی کی مدد سے حل کی جاسکتی ہیں۔ فلسفہ اور مذہب کے عنوان کے تحت وہ تمام موضوعات زیرِ بحث لائے جاسکتے ہیں جو انسان کو خدا اور کائنات سے تعلق پیدا کرنے میں راہیں متعین کرتے ہیں۔ یہ موضوعات ہی خالق حقیقی کی ہستی کا ثبوت مہیا کرتے ہیں۔ مذہب دراصل وہ لائحہ عمل ہے جس کو اپنا کر انسان ان مسائل کا صحیح اور مناسب حل تلاش کر لیتا ہے جو ہمیشہ اسے فکری اور علمی میدان میں پریشان کیے رکھتے ہیں۔

سرایڈورڈ برنٹ ٹائیلر: (Sir Edward Burnett Tylor)

سرایڈورڈ برنٹ ٹائیلر (2 اکتوبر 1832ء۔2 جنوری 1917ء) برطانیہ کے پہلے ماہر علم البشر (Anthropologist) ہیں۔ ان کے والدین کا تعلق ایک مسیحی فرقے کوئکر (Quakar) سے تھا۔ اس فرقے کے پیروکار امن پسند اور صلح جو تھے، جو روایتی رسموں اور عقائد سے کنارہ کش رہتے۔ سولہ سال کی عمر میں انھوں نے سکول کی تعلیم مکمل کر کے باپ کے کاروبار میں ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ کوئکر فرقے کا پیروکار ہونے کی وجہ سے انھیں اعلیٰ تعلیم کے لیے یونیورسٹی میں داخلہ نہیں مل سکا تھا۔ 23 سال کی عمر میں وہ تپ دق کے مرض کا شکار ہو گئے اور انھیں علاج کے لیے امریکا جانا پڑا تو ہوانا (کیوبا کا صدر مقام) میں ایک بس میں سفر کے دَوران ان کی ملاقات ایک شخص ہنری کرسٹی (Henry Christy) سے ہوگئی۔ کرسٹی بھی کوئکر فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس اتفاقیہ ملاقات سے ان کی زندگی کا رخ بدل گیا۔ دراصل کرسٹی آثارِ قدیمہ اور نسلیات کا ماہر تھا۔ وہ میکسیکو کے قدیم ٹولٹک ثقافت (Toltec Culture) پر تحقیق کرنے میکسیکو جا رہا تھا۔ ٹولٹک میکسیکو کے قدیم حکمران تھے اور انھوں نے ایک خاص تحریک کو پروان چڑھایا تھا۔ کرسٹی نے ٹائیلر کو بھی تحقیق پر آمادہ کر لیا اور وہ اگلے چھ ماہ اسی تحقیق پر لگے رہے۔ اب ٹائیلر کی زندگی کا رُخ متعین ہو گیا اور وہ چھ ماہ بعد لندن لوٹ آئے۔

ٹائیلر نے انسان کی تہذیبی تبدیلیوں کو موضوع بنایا ہے۔ ان کے مطابق انسانی خصوصیات ترقی کرتی رہی ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ ان میں تبدیلیاں آئیں ہیں۔ غاروں میں رہنے والے انسان سے لے کر آج کے جدید انسان تک جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں ان کی

کڑیاں مکمل طور پر غائب نہیں ہوئیں۔یعنی یہ تبدیلیاں اور تہذیبی ترقی ان کی پہلی تصنیف کا موضوع تھے۔انھوں نے تحقیق جاری رکھی اور 1871ء میں ان کی دوسری تصنیف قدیم ثقافت (Primitive Culture) شائع ہوئی۔ یہ کتاب اگرچہ پہلے سلسلے کی کڑی تھی لیکن یہ اس لحاظ سے اہم تھی کہ ان میں انھوں نے مذہب کے ارتقا کے بارے میں اپنا نظریہ روح پرستی (Animism) پیش کیا تھا۔

اگرچہ مذہب کی ابتدا اوراس کی حقیقت کے بارے میں گزشتہ دو ہزار سال میں بہت سے نظریے پیش کیے گئے لیکن ان میں ٹائیلر نے مذہب کی ابتدائی شکل کے بارے میں سائنسی انداز میں بات کی ہے۔

ٹائیلر نے مذہب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے''مذہب ماورائی قوتوں پر اعتماد کا نام ہے''۔ان کا نظریہ یہ ہے کہ مذہب کا تصور انسان کے روحوں پر اعتقاد سے پیدا ہوتا ہے۔جب کوئی شخص خواب میں ایسے رشتہ داروں سے ملتا اور بات چیت کرتا ہے جو مر چکے ہوتے ہیں یا زندہ تو ہیں لیکن دُور دراز رہتے ہیں تو وہ روح کے وجود کا قائل ہو جاتا ہے۔وہ خواب کو واہمہ نہیں سمجھتا بلکہ حقیقت تصور کرتا ہے اور روح کے وجود پر اس کا یقین پختہ ہو جاتا ہے۔

قدیم انسان نے خوابوں سے یہ سیکھا ہے کہ انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے اور یہ روح کا تصور ہی این مزم (روح پرستی) کی جان ہے، اگر نیند لمبی ہو جائے تو روح بدن کے قالب میں واپس نہیں آتی اور موت واقع ہو جاتی ہے۔اس طرح بدن تو بیکار ہو جاتا ہے مگر روح زندہ رہتی ہے۔ٹائیلر اپنے مذہبی تصورات کو آفاقی قرار دیتے ہیں۔ان کے مطابق یہ تصورات وحشی انسان کے زمانے میں اُبھرے اور آج کے جدید دَور میں بھی موجود ہیں۔

سر جیمز جارج فریزر: (Sir James George Frazer)

سر جیمز جارج فریزر (یکم جنوری 1854ء۔7 مئی 1948ء) برطانیہ کے ممتاز دانشور، علم الانسان کے ماہر اور مذہبی تاریخ کے محقق تھے۔ وہ ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے ۔ انھوں نے گلاسکو یونیورسٹی (Glasgow University) اور ٹرینٹی کالج کیمبرج (Trinity College Cambridge) سے تعلیم حاصل کی۔اُنھیں دورانِ تعلیم قدامت پرستی سے دلچسپی رہی۔وہ ساٹھ برس تک ٹری نیٹی کے رفیق بھی رہے۔اُنھیں اس بات کا یقین تھا کہ دُنیا نہ بدلنے والے قدرتی قوانین کے تحت چل رہی ہے۔

ان کا نظریہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنے عقائد کے مطابق ماورائی طاقتوں پر یقین رکھتا ہے اور اس یقین کے مطابق وہ عمل کرتا ہے۔
جارج فریزر کے مطابق جادو اس ترقی کے زینے پر پہلا قدم ہے۔ان کا نظریہ یہ ہے کہ پُرانے زمانے میں جس چیز کے جو پہلو نہ سمجھے جاسکتے تھے اسے جادو کا نام دے دیا جاتا تھا۔انھوں نے مذہب کے بارے میں کہا تھا کہ مذہب کے کچھ پہلو نظر نہیں آتے اور اس طرح مذہب نے جادو کی جگہ لے لی ہے۔لوگوں کو جب تک معلوم نہ تھا کہ ایک بیج سے درخت کیسے بنتا ہے وہ اسے جادو سمجھتے تھے جب کہ مذہب اسے خدا کی قدرت قرار دیتا ہے۔اسی طرح اب سائنس کے کرشمے جادو لگتے ہیں۔فریزر کے نظریات کے مطابق جادو، مذہب اور سائنس کی کڑیاں آپس میں ملی ہوئی ہیں۔

فریزر کے بقول مافوق الفطرت قوتوں پر یقین رکھنے سے دو قسم کے روّیے پیدا ہوتے ہیں۔ایک یہ کہ انسان قوتوں کو برتر قوت تسلیم کر لیتا ہے، ایسا کرنے سے وہ عاجزی اختیار کرتا ہے۔وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کی فلاح ان طاقتوں کے ہاتھ میں ہے۔اس طرح وہ مِنّت ،

قربانی اور نذر و نیاز کے ذریعے ان طاقتوں کو راضی رکھنا چاہتا ہے۔ یہ سب مذہب کے دائرے میں آتا ہے اور دوسرا رویہ یہ ہے کہ وہ ان طاقتوں کو کنٹرول کرنا چاہتا ہے۔ یہ مذہب کے بجائے جادو کے دائرے میں آتا ہے۔

فریزر نے مذہبی تاریخ میں بھی نمایاں کام کیا۔ اس سلسلے میں ان کی دو کتابیں قابلِ ذکر ہیں لیکن ان کی تصنیف ''گولڈن بوہ'' (Golden Bough) کو اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے کہ وہ جدید ثقافت کا بنیادی حصہ ہے۔ یہ کتاب شاخِ زریں کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں اردو میں شائع ہو چکی ہے۔

سگمنڈ فرائیڈ:(Sigmund Freud)

سگمنڈ فرائیڈ (6 مئی 1856ء۔ 03 ستمبر 1939ء) جرمنی میں پیدا ہوئے لیکن ابھی چار سال ہی کے تھے کہ ان کا خاندان وی آنا (آسٹریا) منتقل ہو گیا۔ وی آنا یونی ورسٹی سے اُنھوں نے طب کی ڈگری حاصل کی، انھوں نے یونیورسٹی میں تعلیم کے دَوران قدیم اور جدید علوم کا خوب مطالعہ کیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد انھوں نے ایک معالج جوزف برائر کے ساتھ مل کر نفسیاتی اُلجھنوں کے مریضوں (Histeria Patients) کا علاج شروع کیا۔ انھوں نے مشاہدہ کیا کہ ہسٹریا کے مریضوں کو بھڑاس نکالنے دی جائے تو یہ مرض دُور ہو جاتا ہے۔ انھوں نے اِن مریضوں کے خوابوں کو بھی اہمیت دی۔ فرائیڈ کا خیال ہے کہ خواب اور ہسٹریا دونوں خوف کے ذریعے پیدا ہونے والے خیالات اور احساسات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

فرائیڈ کے مذہبی تصورات کے جائزے میں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ انھوں نے اعصابی امراض کے شعبے میں کام کیا، تحلیلِ نفسی ان کا ذریعۂ علاج بھی تھا اور انسانی باطن میں چھپے ہوئے پوشیدہ حقائق کو جاننے کا ذریعہ بھی۔ انھوں نے شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا اور حاصل شدہ معلومات اور تجربات کا اطلاق پوری انسانی زندگی پر کیا۔ اس طرح فرائیڈ معالج بھی ہیں، ماہرِ نفسیات بھی اور فلسفی بھی۔ مذہب کے بارے میں ان کے مذہبی نظریات کا آغاز تحلیلِ نفسی سے شروع ہوتا ہے اور ان کے مذہبی نظریات کو اسی پس منظر میں سمجھا جا سکتا ہے۔

فرائیڈ مذہب کو واہمہ قرار دیتے ہیں۔ دراصل مذہبی تصورات ان کے ذہن میں جڑ نہ پکڑ سکے۔ آخری عمر میں انھوں نے ''موسیٰ اور وحدانیت'' (Moses and Monotheism) کتاب لکھی جس میں یہودی مذہب پر اعتراضات کیے۔ یاد رہے کہ وہ خود یہودی تھے۔ وہ مذہب کی اس قوت کے مداح ہیں کہ مذہب کے زیرِ اثر اعلیٰ درجے کی تہذیب پروان چڑھتی ہے۔

فرائیڈ نے ٹوٹم پسندی (Totemism) کو مذہب کی ابتدائی شکل قرار دیا ہے۔ قدیم تہذیبوں کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ہر قبیلہ مظاہرِ فطرت میں سے کسی چیز خصوصاً کسی جانور کو اپنا امتیازی نشان چن لیتا، پھر اسے اپنے لیے وجہ امتیاز سمجھتا اور سارا قبیلہ اس کا احترام کرتا۔ اسے ٹوٹی مزم کہتے ہیں۔ فرائیڈ کہتے ہیں کہ مذہب خاندانی تجربے سے اخذ ہوا۔ جس میں بے بس بچہ جابر باپ کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ والد اسے ہر سہولت اور تحفظ دیتا ہے اور اس کے بدلے میں احترام چاہتا ہے۔ وہ خدا پر ایمان کو ایک بے بس بچے کی بے بسی قرار دیتا ہے۔ فرائیڈ نے مذہب کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا۔ اس کے مذہبی افکار نے یورپ اور امریکہ کے حلقوں کو متاثر کیا۔

رڈلف اوٹو:(Rudolf Otto)

رڈلف اوٹو (25 ستمبر 1869ء۔6 مارچ 1937ء) بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ الٰہیات کے اُستاد، مذہبی مفکر اور تاریخ دان تھے۔ انھوں نے انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے ابتدائی پچیس تیس سالوں میں جو کچھ تحریر کیا اس کے اثرات آج بھی محسوس کیے جارہے ہیں۔ رڈلف اوٹو جرمنی کے شہر پین (Peine) میں پیدا ہوئے انھوں نے گوٹی جن (Gottingen) یونی ورسٹی سے تعلیم پائی اور یہیں پڑھاتے رہے۔ اگرچہ وہ ملک کے قانون ساز ادارے کے رکن بھی رہے لیکن ان کی شہرت ان کے مذہبی افکار کی وجہ سے ہے۔ ان کی ساری زندگی مسیحی الٰہیات اور دیگر مذاہب کی حقیقت اور مذہبی تجربے کی تفہیم میں گزری۔

رڈلف اوٹو کی مسیحیت کے علاوہ دیگر مذاہب میں دلچسپی اس قدر بڑھی کہ انھوں نے مذہبی تحقیق کے لیے ہندوستان، برما، چین، مصر، یروشلم اور دیگر کئی ممالک کے سفر کیے۔ ہندومت سے خصوصی دلچسپی رہی۔ اس لیے انھوں نے نہ صرف سنسکرت زبان سیکھی بلکہ اپنی کتاب ''باطنیت مشرق ومغرب'' (Mysticism East and West) میں ہندومت اور مسیحیت کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا۔ انھیں ان اسفار کے دوران جو معلومات میسّر آئیں اُن سے اُنھیں دوسرے مذاہب کو سمجھنے میں مدد ملی۔

رڈلف اوٹو نے کئی کتابیں تصنیف کیں لیکن ان میں سے داس ہیلنگ (Das Helinge) جس کا انگریزی ترجمہ (The Idea of The Holy) کے نام سے ہوا۔ اس میں مقدس ہستی کا تصور پیش کیا۔ یہ کتاب 1917ء میں شائع ہوئی۔ انھوں نے باطنی تجربے یا روحانی واردات کو مذہبی روایت کا مغز قرار دیا ہے۔ ان کے مذہبی نقطہ نظر کے مطابق مذہب میں روحانی تجربہ ہی مذہب کی جان ہے اور اس کے بغیر باقی سب ظاہری اعمال رسوم کا درجہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اس باطنی تجربے یا روحانی واردات میں غیبی قوت کا احساس تو کیا جاسکتا ہے مگر اس کی تہہ تک نہیں پہنچا جاسکتا۔ ان کے نزدیک یہ غیبی قوت پُراسرار بھی ہے اور انسان پر اس کی ہیبت اور رُعب بھی طاری ہوتا ہے جس کے نتیجے میں انسان میں عاجزی اور عقیدت جنم لیتی ہے۔ اوٹو کے ہی خیالات خدا پرستانہ مذاہب پر صادق آتے ہیں۔ دراصل رڈلف اوٹو مذہبی تجربے کے غیر عقلی عناصر کو زیادہ اہم سمجھتا ہے۔ انھوں نے مذہبی تاریخ پر بھی کام کیا ہے۔

رڈلف اوٹو کے تصنیفی کام کی تحسین کرنے والوں میں پروٹسٹنٹ فرقے کے علاوہ فلسفی اور مذہبی تاریخ دان شامل ہیں۔ ان میں ہر ایک کو اپنے کام کی باتیں مل جاتی ہیں۔ زندگی کے آخری دس سالوں میں رڈلف اوٹو نے چاہا کہ مارک برگ (Markburg) میں ایک عجائب گھر بنایا جائے جہاں مذاہب کا تقابلی جائزہ اس طرح لیا جائے کہ زندہ عقائد واضح ہوں۔ مگر ان کی یہ آرزو پوری نہ ہوسکی۔ رڈلف اوٹو 6 مارچ 1937 کو اس دُنیا سے رخصت ہوگئے۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) درج ذیل سوالات کے مفصل جوابات لکھیے۔

1۔ مذہب کی فلسفیانہ، سماجی اور نفسیاتی تفہیم کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

2۔ درج ذیل شخصیات پر نوٹ لکھیے۔

(الف) سر جیمز جارج فریزر (ب) رڈلف اوٹو (ج) سگمنڈ فرائیڈ

(ب) مختصر جوابات لکھیے۔

1۔ مذہب کے لغوی معانی کیا ہیں؟

2۔ آسمانی مذاہب کو سمجھنا کیوں آسان ہے؟

3۔ ٹائیلر نے مذہب کی ابتدا کے بارے میں کس ثقافت پر تحقیق کی؟

4۔ ٹائیلر نے مذہب کی تعریف کن لفظوں میں کی؟

5۔ جیمز جارج فریزر کی معروف تصنیف کا نام کیا ہے؟

6۔ سگمنڈ فرائیڈ نے کس معالج کے ساتھ مل کر ذہنی الجھنوں کے مریضوں کا علاج شروع کیا؟

7۔ جیمز فریزر نے کس چیز کو ثقافتی ارتقا میں اہم خیال کیا؟

8۔ فلسفہ اور معاشرہ کی مختصر تعریف بیان کریں۔

(ج) دُرست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ رڈلف اوٹو نے ________________ میں دلچسپی لی۔

(ا) ٹوٹی ازم (ب) اینی مزم (ج) علمِ بشریات (د) غیر مسیحی مذاہب

2۔ ذرائع ابلاغ کی ترقی سے مذہب کا رُجحان ________

(ا) بڑھ گیا (ب) کم ہوگیا (ج) ختم ہوگیا (د) معمول کے مطابق رہا

3۔ اوٹو کے خیال میں مذہب میں ________________ کو مغز کا درجہ حاصل ہے۔

(ا) عبادت (ب) باطنی تجربے (ج) عقائد (د) مذہبی تحقیق

4۔ ________________ نے مذہب کے ارتقا کے بارے میں سائنسی انداز اپنایا۔

(ا) سگمنڈ فرائیڈ (ب) رابرٹ سن سمتھ (ج) رڈلف اوٹو (د) ٹائیلر

5۔ سر جیمز جارج فریزر نے ________________ میں جادو کو اہمیت دی۔

(ا) مذہب (ب) معاشرہ (ج) انسان (د) ا، ب، ج

6۔ داس ہیلنگ کے مصنف کا نام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔

(ا) فریزر (ب) اوٹو (ج) فرائیڈ (د) ٹائیلر

7۔ علم فلسفہ کو تمام علوم کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہتے ہیں۔

(ا) خالہ (ب) ماں (ج) دادی (د) ا،ب،ج

8۔ معاشرے کا تصوّر صرف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سے وابستہ ہے۔

(ا) انسانوں (ب) جانوروں (ج) روحوں (د) ا،ب،ج

(د) کالم (الف) کا رابطہ کالم (ب) سے کیجئے اور جواب کالم (ج) میں لکھیے۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
دنیا کی بہت بڑی آبادی	مشترک مسائل	
داس ہیلنگ	فریزر	
ای بی ٹائیلر	آسمانی مذاہب	
ذرائع ابلاغ کی ترقی	رڈلف اوٹو	
شاخِ زریں	روح پرستی	
	سگمنڈ فرائیڈ	

(و) **طلبہ کے لیے سرگرمیاں:**

1۔ طلبہ گروپ بنا کر قدیم اور جدید فلسفیوں کے نظریات کا جائزہ لیں۔

(ہ) **اساتذہ کے لیے ہدایات:**

1۔ آپ طلبہ اور والدین کی مدد سے ادارے میں مذہبی عجائب گھر بنوائیں تو آپ کیا چیزیں رکھیں گے۔ طلبہ کی آرا بھی شامل کریں۔

☆☆☆☆

مذہب پر معاشرے کے اثرات

مذہب ایک معاشرتی ادارہ ہے۔ہم معاشرہ اور مذہب کی تاریخ کا جائزہ لیں،تو ہمیں ہر دَور میں مذہب اور معاشرہ لازم وملزوم نظر آتے ہیں۔ مذہب معاشرے کے مسائل حل کرنا چاہتا ہے اور اس میں مثبت تبدیلی لانا چاہتا ہے۔اسی طرح جب معاشرے میں تبدیلی کا عمل شروع ہوتا ہے،تو لازمی طور پر اس کے اثرات مذہب پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔

قدیم دَور میں بار ہا ایسا ہوا کہ ایک سلطنت یا ایک مخصوص آبادی میں عوام ایک مذہب کے پیروکار ہیں لیکن والیِ سلطنت نے مذہب تبدیل کر لیا۔ امرا اور سرداروں نے بادشاہ کی پیروی کی اور دوسرے لوگ بھی جوق در جوق اسی رنگ میں رنگے گئے۔ بظاہر تو ایک نیا مذہب معاشرے پر اثر انداز ہو رہا ہے،لیکن یہ معاشرتی تبدیلی دراصل پہلے مذہب پر اثر انداز ہوئی اور وہ کمزور ہو گیا اور بعض اوقات گردشِ زمانہ سے وہ مذہب ختم ہو گیا یا اس قدر کمزور ہوا کہ اس کے ماننے والے چند افراد ہی رہ گئے۔ مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ایک مذہب کو کروڑوں لوگوں نے قبول کیا اور کچھ عرصہ بعد اس کے ماننے والے چند لاکھ رہ گئے۔

مذاہب کے بانی نہ صرف اپنے مذہب کے بارے میں ہدایات دیتے ہیں بلکہ وہ خود عمل کر کے بھی دکھاتے ہیں۔جس کے نتیجے میں ان کے زمانے میں اُس مذہب کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ بلکہ اس مذہب پر عمل کرنے والوں کی تعداد بھی بڑھ جاتی ہے۔ جب بانی اس دُنیا سے رخصت ہوتا ہے،تو افراد کے عمل میں کمزوری ظاہر ہو جاتی ہے۔کئی معاشی اور معاشرتی عوامل مذہبی عقائد میں کمزوری پیدا کر دیتے ہیں اور مذہب کی گرفت کمزور ہو جاتی ہے۔ یہ بھی ہوتا رہا کہ نئے مذہب نے پُرانے کے اثرات کم کر دیے۔

کوئی بھی مذہب فطرت کے جس قدر قریب ہوتا ہے،اس کے اثرات اس قدر دُور رس اور دیر پا ہوتے ہیں۔ہم دیکھتے ہیں، کہ مذاہب نے انسان کو نیک و بد سمجھا کر عمل کرنا فرد کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔ اعمال کی جزا اور سزا کا معاملہ آخرت پر اٹھا رکھا ہے۔ کچھ لوگ مال و دولت کی حرص یا دوسری ترغیبات کی وجہ سے مذہب سے دُور ہو جاتے ہیں۔ جب کہ کچھ لوگ عبادات میں مصروف رہتے ہیں اور دنیاوی معاملات میں مذاہب کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔جن مذاہب میں آخرت کا تصور موجود ہے۔اُن کے پیروکاروں پر اُن مذاہب کے اثرات نسبتاً دیر پا ہوتے ہیں۔

مذہب پر معاشرے کے اثرات کا ایک پہلو اور بھی ہے۔ مذاہب اچھے بُرے کی تمیز سکھاتے ہیں،مگر بعض اوقات انسان اپنی خواہشات کو مذہب کا نام دے دیتے ہیں اور مذہب کو اپنی خواہشات کے مطابق بدلنا چاہتے ہیں۔ یوں رفتہ رفتہ عقائد بدلتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ مذہب کی صورت مسخ ہو جاتی ہے۔ یہ تو حالات کے مذہب پر اثر کی مثال ہے۔ مذہب بگاڑ کو سنوارنے اور مسائل کو حل کرنے میں مدد دیتا ہے لیکن یہ کمزور ہو جائے اور مسائل حل نہ ہو سکیں،تو کوئی تحریک اُٹھتی ہے اور ردِعمل مذہب کے خلاف ظاہر ہوتا ہے۔ دراصل مذہب عدل و انصاف پر زور دیتا ہے اگر ایسا نہ ہو،تو انصاف سے محروم لوگ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔جس کے نتیجے میں بہت سی معاشرتی اقدار بھی بدل جاتی ہیں۔

دُنیا میں ذرائع ابلاغ نے بہت ترقی کر لی ہے،تو دُنیا کے فاصلے سمٹ گئے ہیں۔ وسائل ابلاغ کے ذریعے معلومات کی تیزی سے ترسیل نے افراد اور معاشروں میں تبدیلی کا عمل تیز کر دیا ہے۔ خاص طور پر ثقافتی میدان میں تبدیلی بہت واضح ہے۔ مذہب جو کسی قوم کی

ثقافت کا کلیدی جز و ہوتا ہے۔ اکثر اوقات اس کی تعلیمات پر عمل درآمد پوری طرح نہیں ہو رہا ہوتا، جس کی وجہ سے معاشرہ طاقت ور اقوام کے زوردار ثقافتی حملے کی تاب نہ لاتے ہوئے آسانی سے تبدیلی کے عمل کا شکار ہو جاتا ہے۔ موجودہ دَور میں معاشی و معاشرتی نظریات، سائنسی اندازِ فکر اور نفسیاتی افکار نے دُنیا کے مختلف معاشروں کو متاثر کیا اور آزاد خیالی کی لہر نے کمزور قوموں کو فکری انتشار سے دوچار کر دیا ہے۔

ماضی میں قوموں کے عروج و زوال کا یہ انداز بھی سامنے آتا رہا، کہ کسی قوم کا مذہب اوہام سے بوجھل ہو گیا، یا اس کی مذہبی توجیہات، یا خود مذہب ترقی کے فطری انداز میں حائل ہو گیا، تو وہ مذہب کمزور ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا، کہ یا تو مذہب اور معاشرے کے لیے کوئی فکری اور نظریاتی تحریک اُٹھی اور تطہیر کے بعد حالات کو درست کر دیا گیا، یا پھر کسی دوسرے مذہب نے اس معاشرے پر اثرات قائم کیے اور وہ معاشرے پر چھا گیا۔ جب لوگ نیا مذہب اختیار کرتے ہیں، تو اپنی پُرانی معاشرتی رسوم کو پوری طرح چھوڑ نہیں پاتے، اور ایک مدت کے بعد وہ پرانی رسمیں سر اٹھاتی ہیں اور اس مذہب کو اصل حالت میں نہیں رہنے دیتیں۔

نیا پن، نئی باتیں سوچنا اور نئی چیزیں پسند کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے، یہ بھی مذہب پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ بُدھ مت پھیلا، جین مت نے اثرات قائم کیے لیکن کوئی مذہب بھی ہندو دھرم کے رسم و رواج کے اثرات سے پوری طرح نہ نکل سکا۔ بعض اوقات کسی نئے مذہب کو غیر مؤثر کرنے کے لیے حکومتیں اور قومیں سیاسی چالیں بھی چلتی ہیں۔

جب مذاہب کسی خاص خطے سے باہر نکلے تو ثقافت کی تبدیلی کی وجہ سے مذہب میں تبدیلی آئی۔ اب نئے معاشرے کی تعمیرِ نو (Reformation) میں دقتیں پیش آئیں۔ کہیں قبائلی نظام کے طرزِ حیات نے راستہ روکا اور کہیں پرانے مذاہب کی قدیمی روایات آڑے آئیں۔ اگر مذہب میں وُسعتِ نظر اور کشش ہے تو وہ پھلتا پھولتا رہے گا ورنہ ٹکراؤ کی شکل میں معاشرتی رسوم اور ثقافت مذہب کے پھیلاؤ میں رکاوٹ بنیں گی۔ مذاہب میں تو خدائے بزرگ و برتر نے جہاں اپنے بندوں کے ذریعے مذہب کو خیر بنا کر بھیجا، وہاں کی ثقافت، ماحول اور جغرافیائی حالات کے مطابق احکام دیے اور اس کے دیگر قوموں میں پنپنے کی گنجائش اور لچک پذیری بھی رکھی۔ مذاہب بھی جہاں سے اٹھے، اس کے مراکز وہیں اسی معاشرے میں رہے۔ ہندو دھرم کے تیرتھ استھان ہندوستان میں ہی ہیں۔ مگر مسئلہ اس دھرتی سے باہر کا ہے، جہاں آب و ہوا بدلتی ہے، خوراک بدلتی ہے، تو مذہب میں بدلتے حالات کے ساتھ لچک ہونی چاہیے۔ جہاں اہلِ مذہب بضد ہوں وہاں مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اس طرح مذہب پر معاشرتی اثرات غالب آ جاتے ہیں۔

بعض اوقات معاشرتی دباؤ ایک اور رُخ اختیار کرتا ہے اور وہ مثبت تبدیلی کا باعث بنتا ہے۔ جب مذہبی طبقے یا عوام مذہب کے بارے میں خدشات کا شکار ہوتے ہیں تو انھیں پھر خدا یاد آتا ہے۔ ان حالات کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے دین اور مذہب پر زیادہ سختی سے کاربند ہو جاتے ہیں۔ ظلم کا شکار مظلوم طبقہ اور زیادہ خلوصِ نیت سے مذہب کی پابندی کرنے لگتا ہے۔ یعنی اصل کی طرف لوٹ آتا ہے۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ معاشرے اور مذہب کے باہمی عمل سے ایک دوسرے پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ صدیوں سے ایسا ہو رہا ہے اور یہ سب کچھ تاریخ میں محفوظ ہے۔

مذہب کا تعلق اصل میں انسان کی ذات سے ہے۔ کیوں کہ انسان سماجی جانور ہے اس لیے سماج سے وہ سیکھتا ہے اور سماج پر اثرات چھوڑتا ہے۔تہذیب کا وجود کہیں تنہائی میں نہیں ہوتا۔ وہ سماج کا پروڈکٹ ہے۔ ہوسکتا ہے اس کی ابتدا کسی ایک فرد سے ہوئی ہو مگر اس فرد نے ایک جماعت بنائی۔ اس جماعت نے ایک سوسائٹی تعمیر کی۔ اس سوسائٹی نے ایک ریاست کو وجود بخشا۔ وہ تہذیب اس سیاسی سرپرستی میں پروان چڑھتی، آگے بڑھتی اور دوسری تہذیبوں کو متاثر کرتی ہے۔

مذہب کا تعلق سیکھنے سے ہوتا ہے۔ سیکھنے کا عمل دنیا میں آنے کے بعد روزِ اوّل سے شروع ہوجاتا ہے۔ اس لیے سیکھنا شعوری بھی ہو سکتا ہے اور لاشعوری بھی۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ انسان جو کچھ سیکھتا ہے اس کا ایک بڑا حصہ غیر شعوری طور پر حاصل کرتا ہے۔ زبان، لباس، طرزِ تعلیم، طرزِ تعمیر، خوشی اور غم کے مواقع پر سماج کی نگاہ میں پسندیدہ اور مقبول عمل، صحیح اور غلط کے معیارات اور ان سب میں سب سے اہم ترین نکتہ کائنات، الوہیت، حیات اور انسان کے بارے میں تصور۔ عموماً یہ تمام امور سماج سے غیر شعوری طور پر سیکھے جاتے ہیں الا یہ کہ شعور آنے کے بعد اپنی ہی تہذیب کے بعض امور پر کوئی سوال کھڑا کرے جس کی جرأت کم ہی لوگ کر پاتے ہیں۔

تہذیبوں کا تسلسل ہزاروں سال طویل ہوتا ہے۔ علاقے اور آب و ہوا کے بدلنے کے ساتھ ساتھ کچھ جزوی تبدیلیاں ضرور ہوجاتی ہیں مگر نسل در نسل اصولوں کو باقی رکھا جاتا ہے۔ تہذیب کو ہم ایک ندی سے مشابہ سمجھتے ہیں کہ ندی جس طرح سے مختلف علاقوں سے گزرتی ہوئی چلی جاتی ہے، اور ہر جگہ مختلف تبدیلی لاتی ہے اسی طرح تہذیب مختلف نسلوں سے گزرتے ہو مختلف معاشرہ کی ہر پہلو میں تبدیلی لاتی ہے۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) درج ذیل سوالات کے مفصل جوابات لکھیے۔

1۔ مذہب پر معاشرے کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

2۔ قدیم اور جدید دَور میں مذہب پر معاشرے کے اثرات کا فرق واضح کیجیے۔

(ب) مختصراً جوابات لکھیں۔

1۔ ملک کے سربراہ کے مذہب تبدیل کرنے کے کیا اثرات ہوتے ہیں؟

2۔ مذہب کے بانی کے بعد مذہب میں کیا تبدیلی آتی ہے؟

3۔ عقیدۂ آخرت سے کردار کیونکر متاثر ہوتا ہے؟

4۔ اپنی آرزوؤں کو مذہب کا نام دینے سے کیا ہوتا ہے؟

5۔ اہلِ مذہب اگر ضد کریں تو مذہب پر کیا اثر پڑتا ہے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ معاشرے کے بااثر طبقے کے نئے مذہب کو قبول کرنے سے ------------------ ہے/ ہیں۔

(ا) عوام پُرانے مذہب پر ڈٹ جاتے　　(ب) پُرانا، مذہب کمزور ہو جاتا

(ج) پُرانا مذہب بالکل ختم ہو جاتا　　(د) عوام بھی نیا مذہب قبول کر لیتے

2۔ معاشی اور سماجی عوامل مذہب کو ------------------ کرتے ہیں۔

(ا) کمزور　　(ب) توانا　　(ج) ملیامیٹ　　(د) غیر موثر

3۔ عدل اٹھ جائے تو ------------------ ہیں/ ہے۔

(ا) مذہبی اقدار بدل جاتی　　(ب) عوام میں سخت ردِ عمل پیدا ہوتا

(ج) معاشرتی اقدار تبدیل ہو جاتی　　(د) ا، ب، ج

4۔ نیا مذہب اختیار کرنے کے بعد لوگ ------------------ ہیں۔

(ا) پرانی مذہبی روایات بھول جاتے　　(ب) معاشرتی رسمیں چھوڑ دیتے

(ج) نئی اور پرانی رسومات ایک ساتھ چلتی رہتی　　(د) ا، ب، ج

5۔ انسان کے سیکھنے کا عمل ------------------ سے شروع ہوتا ہے۔

(ا) روزِ اوّل　　(ب) نوجوانی　　(ج) بڑھاپے　　(د) ا، ب، ج

(د) صحیح جملے کے سامنے ''ص'' اور غلط کے سامنے ''غ'' لگائیے۔

1۔ مذہب اوہام کا شکار ہو تو معاشرہ ترقی کرنے لگتا ہے۔

2۔ الہامی مذاہب ایک دوسرے کے متصادم نظریات رکھتے ہیں۔

3۔ اگرچہ جدت پسندی انسان کی فطرت ہے، مگر مذہب پر اثر انداز نہیں ہوتی۔

4۔ مذہب کی قوتِ جاذبہ انسان کے لیے مفید ہوتی ہے۔

5۔ معاشرے کے قبائلی نظام تبدیلی میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

(و) **طلبہ کے لیے سرگرمیاں:**

1۔ ہمارے ملک میں مختلف مذاہب کے لوگوں نے معاشرے پر کیا اثرات مرتب کیے۔ گروپ کی شکل میں مباحثہ کیجیے۔

(ہ) **اساتذہ کے لیے ہدایات:**

1۔ مختلف مذاہب پر اثر انداز ہونے والے عناصر اور عوامل سے طلبہ کو آگاہ کریں۔

2۔ طلبہ کو بتائیں کہ مختلف مذاہب کے لوگوں کے ساتھ کس طرح زندگی گزارنی چاہیے۔

☆☆☆☆

باب
2

پاکستان میں مختلف مذاہب

اسلامی جمہوریہ پاکستان مسلم اکثریت کی ریاست ہے۔ جس میں دیگر مذاہب کے لوگ بھی آباد ہیں۔ پاکستان میں مسیحی، ہندو، سِکھ مت، بُدھ مت، جین، پارسی، بہائی، کالاش اور دیگر مذاہب کے ماننے والے بستے ہیں۔ ان تمام مذاہب کے لوگ نہ صرف باہم مل جُل کر امن وسکون سے رہتے ہیں بلکہ پاکستان کے تمام شہری ملک کے استحکام اور ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

اِسلام:

لغوی معنٰی کے لحاظ سے اسلام، اطاعت اور تسلیم ورضا کا دوسرا نام ہے۔ اسے دنیا کے بڑے مذاہب میں خاص مقام حاصل ہے۔ دُنیا میں تقریباً ایک ارب 97 کروڑ مسلمان ہیں اور اسلام اپنے ماننے والوں کی تعداد کے اعتبار سے دنیا کا دوسرا بڑا مذہب ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔

دینِ اسلام کے ابتدائی حالات:

اسلام کی تاریخ قدیم بھی ہے اور جدید بھی۔ قدیم اس لیے کہ اسلام ہی تمام پیغمبروں کا مذہب رہا۔ جو بھی نبی یا رسول اس کائنات میں آئے اُنھوں نے دینِ اسلام ہی کی تبلیغ کی ہے۔ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ وسلّم پر مکمل ہوا۔ یہ مذہب اس حوالے سے جدید ہے کہ اس کے پاس قیامت تک کے لیے ہر علاقے اور زمانے کے معاملات اور مسائل کا حل اور راہ نمائی موجود ہے۔

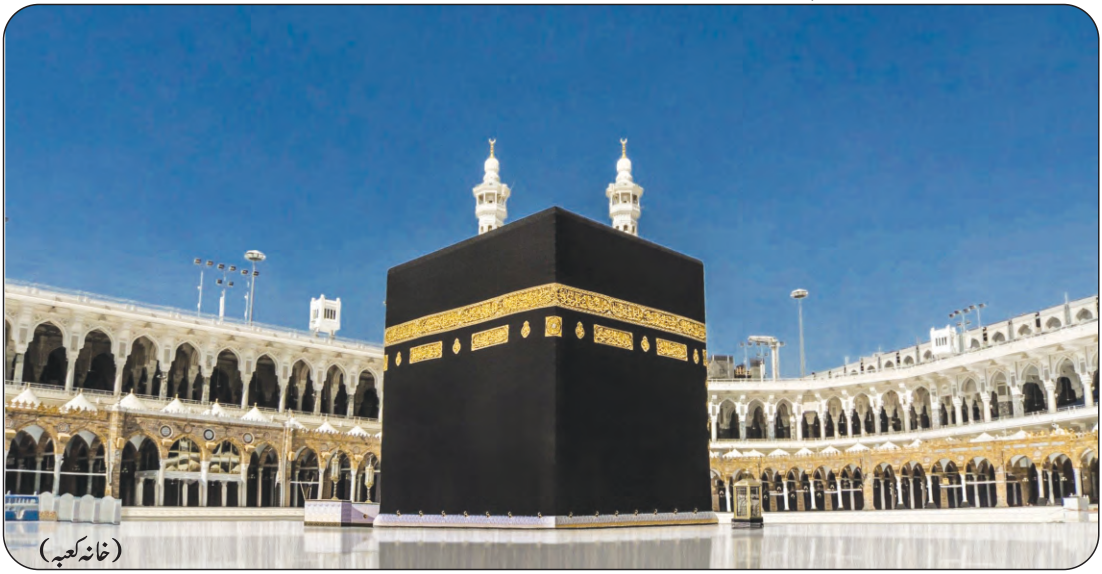

(خانہ کعبہ)

حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ وسلّم کے حالاتِ زندگی:

اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ وسلّم عرب کے مشہور شہر مکّہ مکرّمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ وسلّم کی پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ وسلّم کے والد حضرت عبد اللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ جب

آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کی عمر چھے سال ہوئی تو آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کی والدہ حضرت بی بی آمنہ بھی وفات پا گئیں۔ اس کے بعد آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کی پرورش کی۔ آٹھ سال کی عمر میں آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کے دادا کی وفات ہوئی تو حضرت ابو طالب نے آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کی کفالت کی ذمہ داری سنبھالی۔ حضرت ابو طالب آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کے چچا تھے۔ حضرت ابو طالب کو آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم سے بہت محبت تھی ۔ وہ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم سے اپنے بچوں سے بڑھ کر شفقت فرماتے تھے۔

حُلیہ مبارک اور حسنِ بے مثال:

نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم بے مثال حسن و جمال اور کمالات سے متصف تھے۔ رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم سے بڑھ کر کوئی حسین نہیں دیکھا گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کے حلیہ مبارک کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نہ زیادہ لمبے تھے، نہ پستہ قد بلکہ میانہ قد تھے، آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کے بال مبارک نہ بالکل پیچ دار تھے نہ بالکل سیدھے، آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نہ موٹے بدن کے تھے نہ گول چہرے کے، البتہ تھوڑی سی گولائی آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کے چہرہ مبارک میں تھی (یعنی چہرہ انور نہ بالکل گول تھا نہ لمبا بلکہ دونوں کے درمیان تھا) اور رنگ سفید سرخی مائل تھا۔ آنکھیں مبارک نہایت سیاہ تھیں اور پلکیں دراز، بدن کے جوڑوں کی ہڈیاں (مثلاً کہنیاں اور گھٹنے) موٹی تھیں ایسے ہی دونوں کندھوں کے درمیان کی جگہ بھی موٹی اور پُر گوشت تھی۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کے دونوں مبارک شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ سلسلۂ نبوت آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم پر اختتام پذیر ہوا، آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم سب سے زیادہ سخی اور سچی زبان والے تھے، سب سے زیادہ نرم طبیعت اور سب سے زیادہ شریف النفس تھے۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کو جو شخص یکا یک دیکھتا، مرعوب ہو جاتا تھا۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کا وقار اس قدر زیادہ تھا کہ ہر دیکھنے والا رعب کی وجہ سے ہیبت میں آ جاتا تھا۔

حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کے معجزات:

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس کی نبوت و رسالت کے ثبوت کی دلیل کے طور پر معجزات عطا کیے، جن کو لوگوں کے سامنے پیش کر کے انبیائے و رسل علیہم السلام نے اپنے اعلان نبوت و رسالت کا ثبوت پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کو بھی بے شمار معجزات عطا فرمائے گئے۔ جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

1۔ غزوہ خیبر میں آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کا لعاب دہن مبارک حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی دکھتی آنکھ کے لیے شفا کا سبب بنا۔

2۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کو دیکھا جب کہ عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ لوگوں نے وضو کے لیے پانی تلاش کیا مگر نہ ملا تو نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کے پاس کچھ پانی لایا گیا۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک اس برتن میں رکھا اور لوگوں کو وضو کرنے کا حکم دیا، چناں چہ میں نے دیکھا کہ پانی آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کی انگلیوں کے نیچے سے (چشمہ کی طرح) پھوٹ رہا تھا حتیٰ کہ سب لوگوں نے وضو کر لیا۔

3۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم کی انگلی کے اشارے سے چاند دوٹکڑے ہوگیا۔آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم کا پسینہ مبارک ہر طرح کے عطر سے زیادہ خوش بودار تھا۔

4۔ ایک صحابی کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ پر آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم نے اپنا دست اقدس پھیرا، تکلیف جاتی رہی اور ٹانگ جڑ گئی۔

غارِحرا میں خلوت نشینی:

حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم عرب کے لوگوں کی بُری عادات دیکھ کر غم زدہ رہتے تھے۔مکہ مکرمہ سے تقریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر پہاڑ کی چوٹی پر ایک غار ہے جسے غارِحرا کہتے ہیں۔یہ غار جبل نور میں واقع ہے۔نزولِ وحی سے پہلے آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم اکثر غارِحرا میں تشریف لے جاتے اور وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے۔آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم کا قیام کئی کئی روز غارِحرا میں رہتا۔

پہلی وحی:

رمضان المبارک کے مہینا میں ایک دن نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم غارِحرا میں عبادت میں مصروف تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام قرآن مجید کی چند آیات لے کر آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم کے پاس آئے۔اس وقت آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم کی عمر مبارک چالیس برس تھی۔یہ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم پر نازل ہونے والی پہلی وحی تھی۔اس وحی کے نزول سے آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم پر لوگوں کی تعلیم و تربیت اور انھیں سیدھا راستہ دکھانے کی ذمہ داری ڈال دی گئی۔

خفیہ تبلیغ:

نزول وحی کے بعد تین سال تک نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم نے خفیہ طریقے سے اپنی تبلیغ کو جاری رکھا اور صرف ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جو آپ کے بہت ہی قریبی ساتھی تھے۔نزول وحی کے فوراً بعد نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ،حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم پر ایمان لائے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ،حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ،حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ،حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ،حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کئی دوسرے حضرات نے اسلام قبول کیا۔

اہل خاندان کو اعلانیہ دعوت:

اللہ تعالیٰ کا حکم ملنے کے بعد حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم نے اپنے خاندان کے پینتالیس (45) افراد کو ایک دعوت پر بلایا۔کھانے کے بعد آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم نے حاضرین سے پوچھا کہ دین کے معاملے میں میرا ساتھ کون دے گا ؟ تمام حاضرین خاموش رہے۔صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو اس وقت قریباً دس برس کے تھے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا محفل میں سے اُٹھے اور بولے، اگرچہ میری آنکھوں میں تکلیف ہے اور میں سب سے چھوٹا ہوں اور میری ٹانگیں بھی پتلی ہیں لیکن میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ساتھ دوں گا۔یہ سن کر لوگ تو ہنس پڑے لیکن حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو گلے سے لگالیا۔حضرت ابوطالب نے بھی آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم کو اپنی حمایت کا یقین دلایا۔

عام تبلیغ:

حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نے لوگوں کو عام تبلیغ شروع کر دی۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم میلوں اور بازاروں میں جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے۔ بیت اللہ میں آنے والوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نے حرم کعبہ میں جا کر اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کا اعلان کیا۔ اس پر مشرکین نے آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم اور آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا تاہم آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم وہاں سے خیریت سے واپس آ گئے۔ قریش کی بھرپور مخالفت کے باوجود آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نے اسلام کی دعوت جاری رکھی اور اسلام پھیلتا گیا۔

قریش کی مخالفت اور آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کی ثابت قدمی:

کفارِ مکہ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کی تعلیمات کو مسخ کرنے کے لیے جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے لگے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ پہلے لوگوں کے قصے اور کہانیاں ہیں۔ جب قریش نے آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کے چچا حضرت ابوطالب سے کہا کہ وہ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کو تبلیغ کے کام سے روکیں، تو آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نے اپنے محترم چچا سے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں، پھر بھی میں اپنا کام جاری رکھوں گا۔ یہاں تک کہ اسلام پھیل جائے یا اسلام پھیلاتے ہوئے میری جان چلی جائے۔

ہجرت کا مفہوم:

ہجرت کے لفظی معنیٰ ترکِ وطن کے ہیں۔ ہجرت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی نیک مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے علاقے یا ملک سے دوسرے پر امن علاقے یا ملک میں چلے جانا۔

ہجرتِ حبشہ:

حبشہ افریقہ کا ایک ملک ہے، جسے آج کل ایتھوپیا کہا جاتا ہے۔ اس کے بادشاہ کو نجاشی کہا جاتا تھا۔ قریش کے تمام تر ظلم کے باوجود مسلمان اسلام سے وابستہ رہے۔ قریش کو اپنی تمام چالیں ناکام نظر آئیں تو انھوں نے مسلمانوں پر مزید ظلم کرنا شروع کر دیے۔ حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نے محسوس کیا کہ ایسے سخت حالات میں مسلمانوں کے لیے اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ جو چاہے وہ حبشہ جا کر اطمینان اور سکون کی زندگی گزارے کیونکہ وہاں کا بادشاہ بڑا انصاف پسند اور رحم دل ہے۔ چنانچہ حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کی اجازت سے گیارہ مرد اور چار عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ یہ حبشہ کی طرف پہلی ہجرت تھی۔ یہ نبوت کا پانچواں سال تھا اور رجب کا مہینا تھا۔ حبشہ کی طرف اور مسلمان بھی جانے لگے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد قریش کے مزید ظلم و ستم سے تنگ آ کر مسلمانوں نے دوبارہ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کی اور یہ نبوت کا چھٹا سال تھا۔ اس مرتبہ 83 مردوں اور 19 عورتوں نے ہجرت کی۔ قریش کو جب مسلمانوں کی روانگی کا علم ہوا تو وہ غصے میں آ گئے۔ انھوں نے مسلمانوں کا پیچھا کیا، لیکن مسلمانوں کو حبشہ جانے والا ایک تیار بحری جہاز مل گیا۔ وہ اس پر سوار ہو کر حبشہ پہنچ گئے۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے مسلمانوں سے بڑا اچھا سلوک کیا۔ وہاں مسلمان امن و سکون سے رہنے لگے۔

شعب ابی طالب میں محصوری:

پہاڑوں کے درمیان گھاٹی یا تنگ جگہ کو عربی میں ''شعب'' کہتے ہیں۔ یہ گھاٹی قبیلہ بنو ہاشم کی ملکیت تھی۔ قبیلے کے سربراہ حضرت ابو طالب تھے۔ اسی لیے اس کا نام شعب ابی طالب ہے۔ قریش نے دیکھا کہ ان کے ظلم و ستم کے باوجود اسلام پھیلتا جا رہا ہے۔ قریش کو یہ معلوم ہوا، تو انھوں نے آپس میں ایک معاہدہ تحریر کیا کہ بنو ہاشم سے مقاطعہ یعنی مکمل معاشرتی بائیکاٹ کیا جائے۔ کوئی ان سے شادی بیاہ نہ کرے۔ ان سے کوئی لین دین نہ کیا جائے۔ قریش کا مقصد یہ تھا کہ حضرت ابو طالب تنگ آ کر حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کو ان کے حوالے کر دیں گے۔ یہ معاہدہ تحریری شکل میں لایا گیا اور بنو ہاشم حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی حفاظت کی غرض سے شعب ابی طالب میں چلے گئے۔ یہ معاہدہ کعبہ کی دیوار پر لٹکا دیا گیا۔ یہ نبوت کا ساتواں سال اور محرم کا مہینا تھا۔

قریش نے اس معاہدہ پر بڑی سختی سے عمل کیا۔ انھوں نے کھانے پینے کی کوئی چیز مسلمانوں تک نہ پہنچنے دی۔ یہاں تک کہ محصور افراد کو اپنی بھوک مٹانے کے لیے درختوں کے پتے بھی کھانا پڑے۔ بھوکے بچوں کے رونے کی آوازیں گھاٹی سے باہر آتی تھیں تو قریش انھیں سن کر رحم کھانے کے بجائے خوش ہوتے تھے۔ البتہ ہشام بن عمرو اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام کبھی کبھی خفیہ طور پر کچھ غلہ بھجوا دیتے تھے۔ تین سال کا عرصہ انہی کٹھن حالات میں گزرا۔ قریش کے کچھ لوگوں نے اس معاہدہ کو ختم کرنے کی کوشش بھی کی لیکن انھیں کامیابی نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور معاہدے کے کاغذ کو دیمک کھا گئی اور صرف اللہ کا نام موجود رہا۔ اس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے دی۔ حضرت ابو طالب نے قریش مکّہ کو کہا کہ معاہدہ دیمک کھا گئی ہے۔ قریش نے معاہدہ دیکھا، تو ویسا ہی پایا جیسا انھیں بتایا گیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے کچھ بحث و تکرار کے بعد اس معاہدہ کو ختم کر دیا اور شعب ابی طالب کا محاصرہ اور مقاطعہ ختم کر دیا۔

عامُ الحزن:

عربی زبان میں عام کا معنی ''سال'' اور حزن کا معنی ''غم'' ہے۔ اس طرح عامُ الحُزن" کا معنی ''غم کا سال'' ہے۔ نبوت کے دسویں سال کو عامُ الحزن کہا جاتا ہے کیونکہ اس سال رمضان المبارک میں آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کے چچا حضرت ابو طالب کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد جلد ہی آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی انتقال ہو گیا۔ یہ دونوں ہستیاں دنیا میں آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کا بہت بڑا سہارا تھیں۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم ان ظاہری سہاروں کے چھن جانے سے بہت غمگین ہو گئے۔

واقعہِ معراج:

معراج کے لفظی معنی سیڑھی اور بلندی کے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق اس سے مراد نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کا وہ مبارک سفر ہے، جس میں اللہ تعالیٰ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک وہاں سے جہاں تک چاہا، لے گیا اور اپنی قدرت کی نشانیاں آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کو دکھائیں۔ واقعہ معراج نبوت کے دسویں سال، رجب کی ستائیسویں رات کو پیش آیا۔ نبی اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم واقعہ کی رات آرام فرما رہے تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کو ایک سواری براق پیش کی۔ یہ بجلی سے بھی تیز رفتار سواری تھی۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم اس پر سوار ہو کر بیت المقدس میں آئے۔ وہاں تمام انبیائے کرام علیہم السلام جمع تھے۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی امامت میں نماز پڑھی اور وہاں سے آسمانوں کا سفر شروع ہوا۔

ہجرتِ مدینہ:

مدینہ منور کا پرانا نام یثرب تھا یہ شہر مکہ مکرمہ سے قریب چار سو کلومیٹر کے فاصلے پر شمال کی جانب واقع ہے۔ حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نے نبوت کے تیرھویں سال مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔

اسبابِ ہجرت:

حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے بڑی محبت تھی کیونکہ یہ نہ صرف آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کا آبائی وطن تھا بلکہ یہاں بیت اللہ بھی تھا۔ ہجرت مدینہ کا بڑا سبب قریش کی ضد اور اسلام دشمنی تھی۔ اس ہجرت کا ایک فوری سبب یہ تھا کہ کفار مکہ نے حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ انھوں نے حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نے لوگوں کی امانتیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کیں۔ انھیں فرمایا کہ میرے بستر پر سو جاؤ اور لوگوں کی امانتیں لوٹا کر مدینہ منورہ آجانا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حکم کی تعمیل کی۔

غارِ ثور میں قیام:

رسول اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم غار ثور میں تشریف لائے۔ تین دن یہاں قیام فرمایا۔ اس دوران ایک مکڑی نے غار کے منہ پر جالا بُن دیا۔ ایک کبوتری نے وہاں گھونسلا بنا کر انڈے بھی دے دیے۔ یہ ایک خدائی اہتمام تھا، جو حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم اور آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کے ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حفاظت کے لیے کیا گیا۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم خیریت سے مدینہ منورہ کے قریب ایک بستی قبا میں پہنچ گئے۔ یہاں آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نے چودہ دن قیام فرمایا۔ یہاں ایک مسجد کی بنیاد رکھی جسے ''مسجد قبا'' کہا جاتا ہے۔ یہ اسلام کی پہلی مسجد ہے۔

مدینہ میں تشریف آوری:

نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ لوگ بڑی شدت سے آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے۔ انھوں نے آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کا پُرجوش استقبال کیا۔ بچیوں نے خوشی سے نعتیہ اشعار پڑھے۔

مواخاتِ مدینہ:

جب نبی اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم اور آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے تو آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نے انصار صحابہ کو مہاجر صحابہ کا بھائی قرار دیا۔ اس عمل کو مؤاخات مدینہ کہا جاتا ہے۔ مدینہ منورہ کے مسلمانوں نے ہجرت کر کے آنے والے مسلمان بھائیوں کی ہر طرح سے مدد کی۔ اس لیے انھیں انصار یعنی مددگار کہا جاتا ہے اور ہجرت کر کے آنے والوں کو مہاجرین کہا جاتا ہے۔ مؤاخات مدینہ کے موقع پر تمام شرکا جن میں آدھے مہاجر اور آدھے انصار تھے۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نے انھیں ایک دوسرے کا بھائی، مددگار اور غم خوار قرار دیا۔

مسجدِ نبوی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تعمیر:

مدینہ کو آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نسبت سے اسے "مدینۃ النبی" کہا جانے لگا اور بعد میں مدینہ منورہ کہلانے لگا۔

نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد ایک اہم کام مسجد کی تعمیر تھا، کیوں کہ مسجد صرف عبادت کے لیے ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے جمع ہونے، دین کے سیکھنے اور سکھانے اور اُمت کے اجتماعی امور کے مشورہ کے لیے بھی ضروری تھی۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے فوراً بعد نبی اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مسجد نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی تعمیر کا فیصلہ فرمایا۔ اس کے لیے وہ جگہ منتخب کی گئی جس کے قریب آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اونٹنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیٹھی تھی۔ مسجد نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی تعمیر شروع کر دی۔

نبی اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے ساتھ مسجد نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی تعمیر میں شریک ہوئے۔

آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم بھی دورانِ تعمیر اینٹیں اور پتھر اٹھاتے رہے اور باقی تمام مسلمانوں کے ساتھ مزدوروں کی طرح کام کرتے تھے۔

صفّہ کی درس گاہ:

نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے ساتھ ایک درس گاہ قائم فرمائی، جسے صفہ کہا جاتا ہے۔ اس درس گاہ میں ان مسافر اور غریب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کا قیام تھا، جو دین کا علم سیکھنے کے لیے وہاں جمع رہتے تھے۔

میثاقِ مدینہ:

مدینہ منورہ کے ارد گرد بہت سے یہودی قبائل آباد تھے۔ وہ اہل مدینہ کے قریب ترین پڑوسی تھے۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جسے "میثاقِ مدینہ" کہا جاتا ہے۔ اس معاہدے میں انھیں دین و مذہب کی آزادی اور جان و مال کی حفاظت دی گئی، گویا میثاقِ مدینہ سے مراد یہودیوں کے ساتھ کیا جانے والا ایک معاہدہ ہے، جس میں ان کے ساتھ پر امن اور خیر خواہی پر مشتمل زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا گیا۔

(مسجدِ نبوی)

میثاقِ مدینہ کی شرائط:

یہود اور مسلمان ایک جماعت ہوں گے۔ یہود اپنے دین پر عمل کریں گے اور مسلمان اپنے دین پر۔ یہود اپنے اخراجات کے ذمے دار ہوں اور مسلمان اپنے اخراجات کے۔ البتہ جنگ کی صورت میں دونوں فریق مل کر اخراجات برداشت کریں گے، اگر کوئی بیرونی دشمن مسلمانوں یا یہود میں سے کسی ایک پر حملہ کرے گا تو دونوں مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔ اس معاہدے کے شرکا کے باہمی تعلقات خیر خواہی اور نفع رسانی کی بنیاد پر ہوں گے، گناہ پر نہیں۔ مظلوم کی مدد کی جائے گی۔ باہمی اختلافات کی صورت میں فیصلہ اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ وسلم فرمائیں گے۔ قریش مکہ اور ان کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

میثاقِ مدینہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان طے ہونے والا ایک تاریخی معاہدہ ہے۔ اس معاہدے سے آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ ساری انسانیت امن و سلامتی کی سعادتوں اور برکتوں سے فائدہ اٹھائے۔ اس قسم کے معاہدات دنیا کو آج بھی امن و سلامتی سے ہم کنار کر سکتے ہیں۔

غزوہ اور سریہ:

1۔ غزوہ اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مسلمانوں کی قیادت فرمائی۔ جن میں سے چند یہ ہیں: غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ خندق، غزوہ بنو قریظہ، غزوہ خیبر وغیرہ۔

2۔ سریہ اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ وسلم نے کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپہ سالار بنا کر بھیجا ہو۔ مثلاً: سریہ مُوتہ، سریہ سیف البحر، سریہ رابغ، سریہ خرار، سریہ نخلہ وغیرہ۔

تحویلِ قبلہ:

مسلمانوں کے مدینہ منورہ آنے کے بعد جو اہم واقعات پیش آئے، ان میں سے ایک واقعہ تحویلِ قبلہ کا بھی ہے۔ مسلمان پہلے بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اب بیت اللہ (مکّہ مکرمہ) کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کریں۔ تحویلِ قبلہ کا حکم دو ہجری میں نازل ہوا۔ ظہر کا وقت ہو گیا اور آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ وسلم لوگوں کو نماز پڑھانے کھڑے ہوئے۔ دو رکعتیں پڑھ چکے تھے کہ تیسری رکعت میں وحی کے ذریعے سے تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا۔ اسی وقت آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ وسلم اور آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اقتدا میں تمام لوگوں نے بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف رُخ کر لیا۔

صلح حدیبیہ:

ہجرت کے چھٹے سال حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یہ ارادہ فرمایا کہ اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے ساتھ عمرہ ادا فرمائیں۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ وسلم چودہ سو (1400) صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے ساتھ مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ جب مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ وسلم کو پتا چلا کہ مشرکینِ مکّہ نے ایک بڑا لشکر تیار کیا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ وسلم کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکا جائے۔ اس خبر کے ملنے پر آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مکّہ مکرّمہ سے کچھ دور حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔

واقعات:

حضور نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم نے قبیلہ خزاعہ کے ایک سردار کے ذریعے سے قریش کے سرداروں کو یہ پیش کش کی کہ اگر وہ ایک مدت تک جنگ بندی کا معاہدہ کرنا چاہیں تو آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم اس کے لیے تیار ہیں۔ جواب میں مکہ مکرمہ سے کئی سفیر آئے، آخر کار ایک معاہدہ لکھا گیا۔

صلح حدیبیہ کی شرائط:

فریقین کے درمیان 10 سال تک جنگ نہیں ہوگی۔ اس سال مسلمان عمرہ کیے بغیر واپس چلے جائیں، آئندہ سال عمرہ کے لیے آئیں اور تین دن مکّہ مکرّمہ میں قیام کریں۔ مسلمان اپنے ساتھ تلوار کے علاوہ کوئی ہتھیار نہ لائیں اور وہ بھی نیام میں رہے۔ مکّہ مکرّمہ سے جو شخص مدینہ منورہ چلا جائے تو اُسے واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ منورہ سے مکّہ مکرّمہ آگیا تو اُسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ مکّہ قریش کو اختیار ہوگا کہ وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں دوستی کا معاہدہ کر لیں۔ حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کی دانشمندی سے صلح کا معاہدہ ہو گیا۔ اس کی بنیادی شق یہ تھی کہ دس سال تک جنگ نہیں لڑی جائے گی اور مسلمان اس سال واپس چلے جائیں گے اور عمرہ کے لیے اگلے سال آئیں گے۔

نتائج:

صلح حدیبیہ کے واقعہ کے بعد قرآن مجید کی سورت سُوْرَۃُ الْفَتْح نازل ہوئی، جس میں صلح حدیبیہ کا ذکر آیا اور فتح مکہ کی بشارت دی گئی اور اسے فتح مبین (کھلی اور واضح کامیابی) قرار دیا گیا۔ حدیبیہ کا معاہدہ اسلامی تاریخ کے اہم واقعات میں سے ہے۔ اس معاہدے کے نتیجے میں مسلمانوں کو پہلی بار صحیح معنیٰ میں امن میسر آیا اور اسلام کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔

فتحِ مکہ

8 ہجری 10 رمضان المبارک کو مسلمان تقریباً دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مکہ مکرمہ کے نواح میں جا پہنچے۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم فرما رہے تھے، آج اللہ تعالیٰ کعبہ مقدسہ کو خصوصی عظمت بخشے گا اور آج کعبہ کو نیا غلاف پہنایا جائے گا۔ مختصر جھڑپ کے بعد اسلامی لشکر شہر مکہ میں داخل ہو گیا۔ قریش مکہ میں سے ابوسفیان، بدیل بن ورقا اور حکیم بن حزام جیسے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم نے دس ہزار کے لشکر کی موجودگی کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کو ہدایات جاری فرمائیں کہ جو شخص پناہ طلب کرے اسے پناہ دی جائے، عورتوں اور بچوں پر تلوار نہ اٹھائی جائے، جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے، اس کو بھی کچھ نہ کہا جائے، جو ہتھیار ڈال دیں یا اپنے گھر کا دروازہ بند کر دیں ان سب کے لیے امان ہے۔ فتحِ مکہ کے موقع پر حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم انتہائی عجز و انکسار کے جذبات غالب تھے، آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم اپنی اونٹنی قصوا پر سوار تھے اور آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کا سر انور اونٹنی کی کوہان کو چھو رہا تھا، زبان پر سُوْرَۃُ الْفَتْح کی آیات جاری تھیں۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم تمام اہل مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ جاؤ آج تم سب آزاد ہو، آج تم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ اہلِ مکّہ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کے اس حسن سلوک اور عفو و درگزر سے انتہائی متاثر ہوئے اور جوق در جوق مسلمان ہونے لگے۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم ان کا اپنے بدترین دشمنوں کو معاف کر دینا عفو و درگزر کی شان دار مثال ہے۔

حجۃ الوداع:

ذی قعدہ کے مہینے 10 ہجری میں حضرت محمد خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے حج کا ارادہ کیا یہ حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کا پہلا اور آخری حج تھا۔ اسی حوالے سے اسے ''حجۃ الوداع'' کہا جاتا ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع بلاشبہ انسانی حقوق کا اوّلین اور مثالی منشورِ اعظم ہے۔ اسے تاریخی حقائق کی روشنی میں انسانیت کا سب سے پہلا منشور ہونے کا اعزاز ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا یہ میرا پہلا اور آخری حج ہے۔ یہ میری تم سے آخری اجتماعی ملاقات ہے، شاید اس مقام پر اس کے بعد تم مجھ سے نہ مل سکوں۔ حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ ایک لاکھ چوالیس ہزار (1,44,000) انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ 9 ذوالحجہ 10 ہجری کو آپ خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے عرفات کے میدان میں تمام مسلمانوں سے خطاب فرمایا۔ یہ خطبہ اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے اور اسلام کے سماجی، سیاسی اور تمدنی اصولوں کا جامع مرقع ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع:

(میدانِ عرفات)

آپ خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہم اسی کی حمد کرتے ہیں۔ اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ اس سے معافی مانگتے ہیں۔ اسی کے پاس توبہ کرتے ہیں اور ہم اللہ ہی کے ہاں اپنے نفسوں کی برائیوں اور اپنے اعمال کی خرابیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے تو پھر کوئی اسے بھٹکا نہیں سکتا اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کو کوئی راہِ ہدایت نہیں دکھا سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

پھر فرمایا: اللہ کے بندو! میں تمھیں اللہ سے ڈرنے کی تاکید اور اس کی اطاعت پر پرزور طور پر آمادہ کرتا ہوں اور میں اسی سے ابتدا کرتا ہوں جو بھلائی ہے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔ تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ لوگو! تمھارا خون، تمھارا مال اور تمھاری عزّتیں ایک دوسرے پر ایسے ہی حرام ہیں جیسا کہ آج کا دن اس شہر کی اور اس مہینہ کی حرمت (عزت) ہے۔

"لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو۔اللہ نے وراثت میں ہر حق دار کو اس کا حق دیا ہے۔مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے۔ باپ کے جرم کا بیٹا ذمہ دار نہیں اور بیٹے کے جرم کا باپ ذمہ دار نہیں۔ اگر کٹی ہوئی ناک کا کوئی حبشی بھی تمھارا امیر ہو اور وہ تم کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرماں برداری کرو۔"

"سُنو لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی نبی ہے اور نہ کوئی اور امت پیدا ہونے والی ہے۔خوب سن لو کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور پنجگانہ نماز ادا کرو۔ سال بھر میں ایک مہینا رمضان کے روزہ کا ہے۔ بیت اللہ کا حج بجا لاؤ۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّن صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم ہے۔ میری سنت اگر تم نے ان کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہوگے۔"

اسلام کے بنیادی عقائد

لفظ عقیدہ "عقد" سے بنا ہے جس کے معنیٰ ہیں "باندھنا اور گرہ لگانا"۔ عقیدہ کے معنی ہوئے باندھی ہوئی یا گرہ لگائی ہوئی چیز۔ انسان کے پختہ اور اٹل نظریات کو عقائد کہا جاتا ہے۔

توحید:

اسلامی عقائد میں سب سے پہلا عقیدہ توحید کا ہے۔توحید کے لُغوی معنیٰ ہیں ایک ماننا۔ یکتا جاننا۔ دین اسلام کی اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ سب سے برتر و اعلیٰ اور ساری کائنات کے خالق و مالک ہستی کا واحد و یکتا ہونے پر ایمان لانا اور صرف اسی کو عبادت کے لائق سمجھتے ہوئے اس کی صفات اور صفات کے تقاضوں میں اسے وحدہٗ لاشریک سمجھنا۔

رسالت اور انبیائے کرام علیہم السّلام پر ایمان:

اسلام کے سلسلہ عقائد میں توحید کے بعد رسالت کا درجہ ہے۔ رسالت کے لُغوی معنیٰ "پیغام پہنچانا" ہیں اور پیغام پہنچانے والے کو رسول کہا جاتا ہے۔ اسلامی اصطلاح میں رسول اس ہستی کو کہا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی تبلیغ کے لیے اپنی مخلوق کی طرف بھیجا ہو۔ نبی کے معنیٰ ہیں "خبر دینے والا" چوں کہ رسول لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام سے آگاہ کرتا ہے اس لیے اسے نبی بھی کہا جاتا ہے۔ انبیائے کرام اور رسول علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب شدہ ہوتے ہیں اور پیدائشی نبی ہوتے ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے اپنے احکام نازل فرماتا ہے۔ اسلامی اصطلاح میں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام ہے جو اس نے اپنے کسی رسول کی طرف فرشتے کے ذریعے نازل کیا۔ سلسلہ نبوّت کی آخری ہستی حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّن صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم ہیں۔ آپ خَاتَمُ النَّبِيِّن صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم سردارِ انبیا اور رحمتِ عالمین ہیں۔ مسلمانوں پر لازم کیا گیا ہے کہ وہ آپ خَاتَمُ النَّبِيِّن صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم کی رسالت کے ساتھ ساتھ تمام انبیائے علیہم السلام کی نبوت پر ایمان لائیں۔

ملائکہ پر ایمان:

ملائکہ کا لفظ جمع ہے اس کا واحد "مَلَكٌ" ہے۔ جس کے لُغوی معنی قاصد کے ہیں۔ فرشتے خالق اور نبی کے درمیان پیغام رسانی کا فرض ادا کرتے ہیں۔ اس لیے ان کو ملک کہا جاتا ہے۔ توحید و رسالت کی طرح فرشتوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

آسمانی کتابوں پر ایمان:

رسولوں پر نازل ہونے والی کتابیں، ربانی تعلیمات کا مجموعہ ہوتی ہیں۔ لہٰذا رسولوں پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ ان پر نازل ہونے والی کتابوں پر بھی ایمان لانا لازمی ہے۔

چار آسمانی کتابیں درج ذیل ہیں:

1۔ تورات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔
2۔ زبور جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔
3۔ انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔
4۔ قرآن مجید جو حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہٖ واصحابہٖ وسلم پر نازل ہوا۔

نوٹ: ان کتابوں کے علاوہ بہت سے انبیائے پر صحیفے بھی پر اتارے گئے۔

آخرت:

لفظ ''آخرت'' کے معنٰی بعد میں ہونے والی چیز کے ہیں۔ اس کے مقابلے میں لفظ ''دنیا'' ہے جس کے معنی قریب کی چیز کے ہیں۔ عقیدۂ آخرت کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور نیک و بد اعمال کا حقیقی بدلہ دیا جائے گا۔ نیک لوگوں کو ایسی جگہ عنایت کی جائے گی جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے بھرپور ہوگی۔ اس کا نام جنت ہے اور بُرے لوگ ایک انتہائی اذیت ناک جگہ میں رہیں گے جس کا نام جہنم ہے۔

ارکانِ اسلام پر ایمان

کلمۂ شہادت:

کلمہ شہادت میں ایک مسلمان یہ اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور وہ وحدہ لاشریک ہے اور حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہٖ واصحابہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور سچے رسول ہیں۔ ان دونوں باتوں کی گواہی دیے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔

نماز:

نماز ایک ایسی اہم عبادت ہے جو تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ پورے دِن میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ اِس کے علاوہ نمازِ جمعہ، نمازِ عیدین اور نمازِ جنازہ بھی اہم اجتماعی عبادات ہیں۔

روزہ:

روزہ دین اسلام کا بنیادی رکن ہے۔ انسان رمضان کے پورے مہینے میں کھانے، پینے اور نفسانی خواہشات پر قابو رکھتا ہے نیز دیگر اخلاقی برائیوں سے اجتناب کرتے ہوئے اپنا وقت عبادات اور نیک کاموں میں گزارتا ہے تو اس کی طبیعت میں نیکی کا ذوق پیدا ہوتا ہے اور بدی سے نفرت ہوتی ہے۔ روزہ خواہشات پر قابو پانے کی تربیت کے ساتھ ساتھ ہمدردی اور احساس کے جذبات پیدا کرتا ہے۔

زکوٰۃ:

دینِ اسلام میں زکوٰۃ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔قرآن مجید میں اکثر مقامات پر نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ ادا کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔

زکوٰۃ کا نصاب:

مال کی کم از کم مقدار جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس خاص مقدار کو نصاب کہتے ہیں۔سونا، چاندی، نقدی مالِ تجارت اور مویشیوں پر متعین شرائط اور شرح کے ساتھ زکوٰۃ لازم ہوتی ہے۔

حج:

حج ایک جامع عبادت ہے۔حج ذوالحجہ کے مخصوص ایام میں فرض ہے۔وقوفِ عرفہ حج کا رُکنِ اعظم ہے۔حج ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر زندگی میں ایک بار فرض ہے۔

اسلام میں انسانوں کو دو طرح کے حقوق کا پابند کیا گیا ہے:

- **حقوق اللہ:**

اللہ کو واحد ماننا، اس کے احکام پر عمل کرنا اور تمام عبادات کو وقت پر ادا کرنا حقوق اللہ ہیں۔

- **حقوق العباد:**

اِس کا مطلب ہے بندوں کے حقوق۔

1۔ والدین کے حقوق:

دنیا میں صرف والدین ہی ایسی ہستی ہیں جو اپنا آرام اولاد پر قربان کر دیتے ہیں۔ان کی شفقت اولاد کو زمانے کی تکالیف اور مشکلات سے بچا کر پروان چڑھاتی ہے۔انسانیت کا وجود اللہ کے بعد والدین کا ہی مرہون منت ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اپنے بعد انھیں کا حق ادا کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ والدین کا نافرمان فرد جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا خاص طور پر بوڑھے والدین کی خدمت پر زور دیا گیا ہے۔کیوں کہ وہ اپنی زندگی کی تمام توانائیاں اولاد پر صرف کر چکے ہوتے ہیں اس لیے اولاد کا فرض ہے کہ ان کے بڑھاپے کا سہارا بن کے احسان شناسی کا ثبوت دے۔

2۔اولاد کے حقوق:

اسلام نے انسان کے دل میں سوئے ہوئے جذبہ رحم کو جگایا تو دنیا سے قتل اولاد (بیٹی کا قتل) کی سنگ دلانہ رسم ختم ہوئی اور اولاد کو اپنے والدین سے شفقت اور محبت کی نعمت ملی۔قرآن مجید میں معاشرے کی دیگر برائیوں کے ساتھ قتل اولاد سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔

3۔میاں بیوی کے حقوق:

معاشرے کی بنیاد خاندان ہے اور خاندان کے سکون اور خوشحالی کا انحصار میاں بیوی کے خوش گوار تعلقات پر ہے اگر ان کے

تعلقات میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو یہ صورت حال بہت سے رشتوں کو کمزور کر دیتی ہے۔ دین اسلام نے مردوں کو عورتوں پر حکومت کرنے کے بجائے ان کی حفاظت کی ذمہ داری سپرد کی اور تلقین کی کہ بیویوں کے ساتھ حسن سلوک اور خیر کے ساتھ پیش آئیں۔

4۔ رشتہ داروں کے حقوق:

معاشرتی زندگی کے لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے ضرورت مند رشتہ داروں کا خیال رکھیں تاکہ انھیں غیروں کے آگے ہاتھ نہ پھیلانے پڑیں جو کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں اس میں ترجیح اپنے قریبی رشتہ داروں کو دیں اور طعنہ دے کر اپنا اجر اور ثواب برباد نہ کریں۔ رشتہ داروں پر خرچ کرنے کو رزق میں اضافے کے باعث قرار دیا گیا ہے۔

5۔ اساتذہ کے حقوق:

اسلام نے جہاں مسلمانوں پر حصولِ علم کو فرض قرار دیا وہاں استاد کو بھی معزز ترین مقام عطا کیا۔ نبی اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کی خصوصی نسبت معلم کی ہے۔ حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا تیرے تین باپ ہیں، ایک جو تجھے دنیا میں لایا، دوسرا وہ جس نے اپنی بیٹی دی، تیسرا وہ جس نے تجھے علم کی دولت سے مالا مال کیا۔

6۔ ہمسایوں کے حقوق:

انسان کا اپنی روزمرہ زندگی میں اپنے ہمسایوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اسلام میں پڑوسیوں کے حقوق پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق وہ شخص مومن نہیں جو اپنے ہمسایے کی بھوک سے بے نیاز ہو کر شکم سیر ہو۔ اگر پڑوسی کو مدد کی ضرورت پڑے تو اس کی مدد کرو، قرض مانگے تو قرض دو، محتاج ہو جائے تو اس کی مالی امداد کرو، بیمار پڑ جائے تو علاج کرواؤ اور وفات پا جائے تو جنازے کے ساتھ قبرستان جائیں اور اس کے بچوں کی دیکھ بھال کرو۔

7۔ غیر مسلموں کے حقوق:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی ہدایت کی ہے۔ یہ صرف اسلام کی خوبی ہے کہ وہ تمام انسانوں کو حقوق عطا کرتا ہے اور مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ وہ ان سے شفقت آمیز برتاؤ کریں۔ اسلام چاہتا ہے کہ اس کے پیروکار غیر مسلموں سے ویسا ہی برتاؤ کریں جیسا اپنے مسلمان بھائیوں سے کرتے ہیں۔ اسی حسن سلوک سے مسلمانوں نے ہمیشہ غیر مسلم اقوام کے دل جیت لیے۔

زندگی گزارنے کے لیے جامع ہدایات:

اسلام زندگی گزارنے کی جامع ہدایات دے کر رہنمائی کرتا ہے، اور ان میں اس قدر وسعت ہے کہ ان کا مختصر ذکر بھی بہت طویل ہے۔ سلیقہ تہذیب کے لیے اسلام میں صحت کے آداب، لباس کے آداب اور سفر کے آداب مقرر ہیں اور حُسنِ بندگی کے لیے مسجد میں داخلے سے لے کر قبرستان میں جانے کے سلیقے اور طریقے بتائے گئے ہیں۔ معاشرے کی بہتری کے لیے دائرہ کار مقرر ہے۔ حتیٰ کہ گفت گو،

خط وکتابت اور مہمان نوازی کے آداب بھی بتائے گئے ہیں۔مریض کی عیادت کا بھی حکم ہے۔اسلامی تعلیمات میں ایک فرد کی ذات اور ایک پورے معاشرے کے لیے جامع ہدایات موجود ہیں جو کردار سازی کر کے زندگی کو بامقصد بناتی ہیں اور ساری اسلامی اخلاقیات، جہاں احترامِ آدمیت سکھاتی ہیں وہاں وہ مساوات اور اخوت کے ذریعے عمدہ معاشرے کی تعمیر بھی کرتی ہیں۔اسلام میں بچے کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔پیدائش کے بعد بچے کو گھٹی پلانا مسنون ہے۔پھر بچے کے کان میں اذان دی جاتی ہے۔پیدائش سے ساتویں دن بچے کے سر سے بال اتروائے جاتے ہیں، بچے کا نام رکھا جاتا ہے اور اس کا عقیقہ بھی کیا جاتا ہے۔

اسلامی تدفین وتکفین کا طریقہ:

اسلام نے جہاں جینے کے سلیقے بتائے، وہاں میت کے حقوق اور اس کی تدفین کے طریقے اور آداب بھی بتائے ہیں۔میت کی نماز جنازہ ادا کرنا فرض کفایہ قرار دیا ہے۔مسلمان حالتِ نزع میں ہو تو اس کے پاس بُلند آواز میں کلمہ طیبہ اور سورۃ یٰسین کی تلاوت کرنے کا بھی ثواب ہے۔موت کی خبر سن کر''إنا للہ وإنا إلیہ راجعون'' پڑھنے کو کہا گیا ہے۔

قبرستان تک پیدل جانا ثواب کا عمل ہے۔نماز جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے۔یہ میت کا حق بھی ہے۔نماز جنازہ کے بعد میت کو قبر میں اُتارتے ہیں۔قبر شمالاً جنوباً بنائی جاتی ہے اور قبر میں اُتار کر میت کا منہ قبلہ رخ کر دیتے ہیں۔پھر قبر کو بند کر کے سرہانے کی طرف سے مٹی ڈالی جاتی ہے اور تھوڑا سا پانی ڈال کر مٹی کو گیلا کیا جاتا ہے۔ایصالِ ثواب کے لیے قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے اور میت کے لیے نہایت عجز وانکسار کے ساتھ دعائے مغفرت کی جاتی ہے۔

اسلام اپنے ماننے والوں کی تعداد کے اعتبار سے مسیحیت کے بعد دُنیا کا دوسرا بڑا مذہب ہے۔اسلام صرف عبادات کا حکم دینے پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ وہ پوری زندگی کا لائحہ عمل دیتا ہے۔وہ دین اور دُنیا میں تفریق نہیں کرتا، بلکہ دُنیا داری کو دین کے ضابطوں کے تحت گزارنے پر زور دیتا ہے۔دوسری اہم بات یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی آخذ محفوظ ہیں۔اسلام کی مذہبی کتاب قرآن مجید کا ایک ایک حرف اصلی نازل شدہ زبان میں محفوظ ہے۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ دینِ اسلام کے ابتدائی حالات پر مختصر نوٹ لکھیں۔

2۔ ہجرتِ مدینہ اور اُس کے اسباب کو تفصیل سے بیان کریں۔

3۔ نوٹ لکھیں:

(i) ارکانِ اسلام (ii) فتح مکّہ (iii) میثاقِ مدینہ

4۔ اسلام کے بنیادی عقائد کیا ہیں؟ تفصیل سے بیان کریں۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ اسلام کے لغوی معنیٰ کیا ہیں؟

2۔ اللہ کے آخری نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مکّہ سے ہجرت کیوں کی؟

3۔ غزوہ اور سریہ میں کیا فرق ہے؟

4۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کیا ہیں؟

5۔ غیر مسلموں کے حقوق بیان کریں۔

6۔ صلح حدیبیہ کے نتائج سے مسلمانوں کو کیا فائدہ ہوا؟

7۔ خطبہ حجۃ الوداع کے بارے میں بتائیں۔

8۔ ارکانِ اسلام کیا ہیں؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ اسلام ــــــــــــــــــــ کا نام ہے۔

(ا) سلامتی اور اطاعت (ب) اطاعت اور عبادات

(ج) تسلیم و رضا (د) ا، ب، ج

2۔ اسلام میں ــــــــــــــــــــ ہے/ہیں۔

(ا) دین اور دُنیا الگ الگ (ب) دین اور دُنیا ایک

(ج) دُنیاداری دین کے اصولوں کے تحت (د) دین دُنیاداری کے تحت

3۔ مسلمانوں کے عروج کے عہد میں ــــــــــــــــــــ بڑا علمی مرکز تھا۔

(ا) ترکی (ب) چین (ج) بغداد (د) دمشق

4- حضور اکرم خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ عبادت کے لیے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں تشریف لے جاتے تھے۔

(ا) غارِ ثور (ب) غارِ حرا (ج) غارِ مدینہ (د) ا،ب،ج

5- اسلام میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں بڑا گہرا تعلق ہے۔

(ا) عبادات اور معاملات (ب) شریعت اور تصوت

(ج) عبادات اور اخلاقی اقدار (د) نظریے اور علم

6- پہلی وحی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کے مہینے میں نازل ہوئی۔

(ا) محرم (ب) شوال (ج) رمضان (د) رجب

7- حضور اکرم خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے نبوت کے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں مدینہ منورہ ہجرت کی۔

(ا) پانچویں سال (ب) دسویں سال (ج) تیرھویں سال (د) ا،ب،ج

8- فتح مکّہ کا واقعہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہجری میں پیش آیا۔

(ا) 8 (ب) 10 (ج) 12 (د) 14

(د) خالی جگہ پُر کریں۔

1- سب سے پہلی ہجرت مسلمانوں نے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کی طرف کی۔

2- اصحابِ صفہ کا مطلب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

3- اسلام کی پہلی مسجد کا نام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

4- مسجد نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی تعمیر میں آپ خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ خود۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اُٹھا کر لاتے تھے۔

5- آپ خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں پر اپنا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔لگایا۔

(و) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1- دُنیا کا نقشہ دیکھ کر اُن ممالک کی نشاندہی کیجیے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

2- بچے کی پیدائش پر مذہبی رسوم کے نکات ترتیب وار لکھ کر دوسروں سے تبادلہ خیال کریں۔

(ہ) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1- اسلام میں عبادات کے تصور اور معاملات کا ربط قائم کر کے طلبہ کو بتائیں۔

2- اسلام اور سماجی زندگی کے موضوع پر ایک نشست کا اہتمام کریں اور طلبہ کو بتائیں کہ اس میں سادگی کا کیا کردار ہے؟

☆☆☆☆

مسیحیت

مسیحیت کی ابتدا:

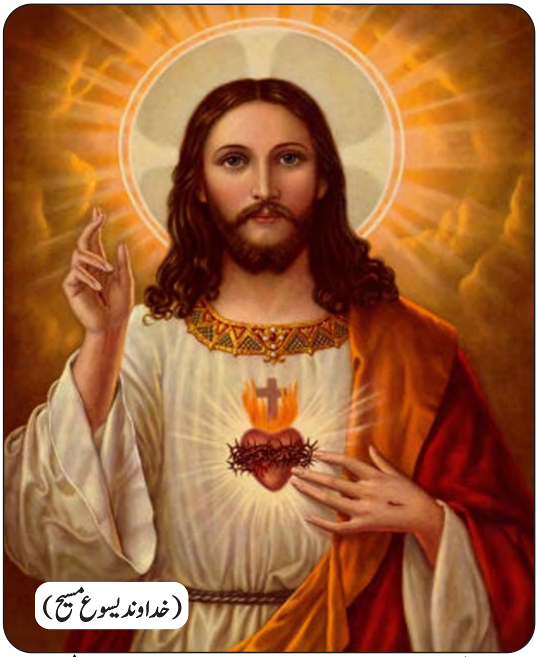
(خداوند یسوع مسیح)

مسیحیت نے مشرق میں جنم لیا،لیکن اسے مغرب میں عروج حاصل ہوا اور اس وقت یہ دُنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔اس وقت تقریباًدو ارب اڑتیس کروڑ افراد مسیحیت کے پیروکار ہیں جو عالمی آبادی میں ایک تہائی کی نمائندگی کرتے ہیں۔مسیحیت ایک ابراہیمی توحیدی مذہب ہے،جس کی بنیاد خداوند یسوع مسیح کی زندگی اور تعلیمات پر ہے۔اس کے پیروکار جنھیں مسیحی کہا جاتا ہے،ایک اندازے کے مطابق 157 ممالک میں آبادی کی اکثریت مسیحیت پر مشتمل ہیں۔

مذاہب کی تاریخ بتاتی ہے کہ انسان کی راہنمائی اور ہدایت کے لیے خدائے بزرگ و برتر نے نبی اور رسول بھیجے۔بنی اسرائیل میں پرانے عہد نامہ کے ملاکی نبی کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام کے بیٹے حضرت یحیٰی (یوحنا اصطباغی) علیہ السلام اور اُن کے بعد خداوند یسوع مسیح کو انسانوں کی اصلاح کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا۔خداوند یسوع مسیح نے یہودی گھرانے میں جنم لیا،اور وہ یہودی روایات،شریعت اور تمام تعلیمات سے پوری طرح آگاہ تھے۔

مسیحی عقائد:

عقیدہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے دل میں جمایا ہوا یقین اور ایمان۔یعنی ایسی چیز جسے قبول کیا جاتا ہے،سچ سمجھا جاتا ہے یا رائے کے طور پر رکھا جاتا ہے عقیدہ کہلاتا ہے۔مثلاً کسی فرد کے مذہبی یا سیاسی عقائد وغیرہ۔عقیدہ کی جمع عقائد ہے۔بنیادی مسیحی تصورات جن پر مسیحیت کی بنیاد ہے،مسیحی عقائد کہلاتے ہیں جن میں چند ایک درج ذیل ہیں۔

مسیحیت کی بنیاد خداوند یسوع مسیح کو خدا کا بیٹا اور مسیح کے طور پر ماننا ہے۔مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ خداوند یسوع،مسیحا کے طور پر خدا کی طرف سے انسانیت کے نجات دہندہ کے طور پر بھیجا گیا تھا۔بنیادی مسیحی عقیدہ یہ ہے کہ یسوع کی موت اور جی اٹھنے پر یقین اور اُسے نجات دہندہ قبول کرنے کے ذریعے گنہگار انسانوں کا خدا سے میل ملاپ ہوسکتا ہے اور ہم ہمیشہ کی زندگی میں داخل ہوجاتے ہیں۔

رسولوں (شاگرد) کا عقیدہ:

خدا باپ،خداوند یسوع مسیح کو خدا کا بیٹا،اور روح القدس پر یقین،مسیح کی مصلوبیت،موت،جی اٹھنا اور مسیح کا آسمان پر اٹھایا جانا،کلیسیا کی تقدیس،ایمانداروں کا میل جول،مسیح کی دوسری آمد،انصاف کا دن اور وفاداروں کی نجات۔

عقیدہ تثلیث:

عقیدہ پاک تثلیث کا ذکرعہد نامہ جدید میں موجود ہے۔اس سے مراد ہے کہ ہمیشہ کے لیے ساتھ رہنے والی شخصیات پر مشتمل ہے،باپ (خدائے خالق)، بیٹا (خداوند یسوع مسیح میں مجسم) اورروح القدس۔ایک ساتھ،ان تینوں شخصیات کوبعض اوقات خدا کی ذات کہا جاتا ہے۔کچھ مسیحی یہ بھی مانتے ہیں کہ خدا پرانے عہد نامے میں ''باپ کے طور پر'' ظاہر ہوا،اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ نئے عہد نامے میں '' بیٹے کے طور پر'' ظاہر ہوا،اوراب بھی موجودہ روح القدس کے طور پر ظاہر ہوتا رہے گا۔تثلیث مرکزی دھارے کی مسیحیت کا ایک لازمی نظریہ ہے۔

خداوند یسوع مسیح کی پیدائش:

اناجیل کے مطابق خداوند یسوع مسیح یروشلیم کے جنوب میں مغربی کنارے کے بیت لحم (فلسطین کی ایک بستی کا نام) کے قصبے میں حضرت مریم کے ہاں پیدا ہوئے۔حضرت مریم خدا تعالیٰ کی قدرت سے حاملہ ہوئیں اور خداوند یسوع مسیح کو جنم دیا۔مقدّس صحیفوں سے پتا چلتا ہے کہ وہ ناصرت میں پلے بڑھے۔آپ اورآپ کا خاندان بادشاہ ہیرودیس کے ظلم وستم سے تنگ آکر مصر چلا گیا۔خداوند یسوع مسیح کی پرورش یہودیوں میں ہوئی تھی۔مقدس متی اور لوقا کی متفقہ اناجیل کے مطابق خداوند یسوع مسیح کے بچپن کا بہت کم حصہّ اناجیل میں درج ہے۔اس کے مقابلے میں ان کی جوانی اور خاص طور پر ان کے مصلوب ہونے سے ایک ہفتہ پہلے کے واقعات نئے عہد نامے میں اور موجود انجیلوں میں اچھی طرح سے قلم بند کیے گئے ہیں کیونکہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ان کی زندگی کا حصہّ سب سے اہم ہے۔خداوند یسوع مسیح کی خدمت اور تبلیغ کے بیانات بائبل میں موجود ہیں۔اُن کا بپتسمہ لینا، مذہبی تعلیمات،تبلیغ،اعمال اور معجزات چاروں اناجیل میں درج ہیں۔

خداوند یسوع مسیح کا بپتسمہ لینا:

(خداوند یسوع مسیح کا بپتسمہ لینا)

روایت ہے کہ یوحنا نبی بپتسمہ دینے والا آیا اور یہودیہ کے بیابان میں یہ منادی کرنے لگا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے۔اُس وقت یروشلیم اور سارے یہُودیہ اوریَردَن کے گِردونواح کے سب لوگ نِکل کراُس کے پاس گئے اوراپنے گناہوں کا اِقرار کرکے دریائِ یَردَن میں یوحنا نبی سے بپتسمہ لِیا۔

اُس وقت خداوند یسُوع مسیح گلیل سے یَردَن کے کِنارے یُوحنّا نبی کے پاس اُس سے بپتسمہ لینے آیا۔ جب خداوند یسُوع مسیح بپتسمہ لے کر فی الفور پانی کے پاس سے اُوپر گئے اور دیکھواُن کے لِئے آسمان کُھل گیا اور اُنھوں نے رُوح القدّس کو کبُوتر کی مانِند اُترتے اوراپنے اُوپر آتے

دیکھا اور سُنا کہ آسمان سے یہ آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خُوش ہُوں۔ مسیحیت میں بپتسمہ ایک ظاہری علامت ہے جو اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ ہم خداوند یسوع مسیح کے ساتھ اس کی موت میں متحد ہیں۔ ہمیں گناہوں کی بخشش دی گئی ہے اور ہم مسیح کے ساتھ نئی زندگی کے لیے اٹھائے گئے ہیں۔

خداوند یسوع مسیح کی آزمائش:

بپتسمہ لینے کے بعد رُوح القدس، خداوند یسُوع مسیح کو بیابان میں لے گیا تا کہ اِبلیس سے آزمایا جائے اور چالیس دِن اور چالیس رات فاقہ کر کے آخر کو اُسے بھُوک لگی اور آزمانے والے نے پاس آکر اُس سے کہا اگر تُو خُدا کا بیٹا ہے تو فرما کہ یہ پتّھر روٹیاں بن جائیں۔ خداوند یسوع مسیح نے جواب میں کہا لکھا ہے کہ آدمی صِرف روٹی ہی سے جِیتا نہ رہے گا بلکہ ہر بات سے جو خُدا کے مُنہ سے نِکلتی ہے۔ تب اِبلیس اُسے مُقدّس شہر میں لے گیا اور ہَیکل کے کنگرے پر کھڑا کر کے اُس سے کہا کہ اگر تُو خُدا کا بیٹا ہے تو اپنے آپ کو نیچے گرا دے کیُونکہ لِکھا ہے وہ تیری بابت اپنے فرِشتوں کو حُکم دے گا اور وہ تُجھے ہاتھوں پر اُٹھا لیں گے ایسا نہ ہو کہ تیرے پاؤں کو پتّھر سے ٹھیس لگے۔ خداوند یسُوع مسیح نے اُس سے کہا یہ بھی لِکھا ہے کہ تُو خُداوند اپنے خُدا کی آزمایش نہ کر۔ پھر اِبلیس اُنھیں ایک بہُت اُونچے پہاڑ پر لے گیا اور دُنیا کی سب سلطنتیں اور اُن کی شان و شوکت اُنھیں دِکھائیں اور اُن سے کہا اگر تُو جھک کر مُجھے سجدہ کرے تو یہ سب کُچھ تُجھے دے دُوں گا۔ خداوند یسُوع مسیح نے اُس سے کہا اَے شیطان دُور ہو کیُونکہ لِکھا ہے کہ تُو خُداوند اپنے خُدا کو سجدہ کر اور صِرف اُسی کی عبادت کر۔ تب اِبلیس آپ کے پاس سے چلا گیا اور دیکھو فرِشتے آکر آپ کی خِدمت کرنے لگے۔

خداوند یسوع مسیح کی تعلیمات:

خداوند یسوع مسیح کی زندگی اور تعلیمات مقدس متی (Matthew)، مرقس (Mark)، لوقا (Luke) اور یوحنا (John) کی چاروں انجیلیوں میں پائی جاتی ہیں۔ مسیحیت کے عقائد اور تعلیمات کو سمجھنے کے لیے نئے عہد نامے کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ نیا عہد نامہ (New Testament) مسیحیت کا بڑا ماخذ ہے۔ خداوند یسوع مسیح نے مسیحیت کی بنیاد خدائے بزرگ و برتر پر ایمان اور قلبی تعلق پر رکھی۔ یہودی عقائد میں خدا ایک آقا اور حاکم ہے، جب کہ خداوند یسوع مسیح نے خدا کو آسمانی باپ کا درجہ دے کر اسے گنہگاروں کے لیے شفیق اور رحم دل ہستی بتایا ہے۔ اسی لیے خداوند یسوع مسیح کی تعلیمات میں اخلاص، توکل اور ایثار و قربانی جیسی اعلیٰ اخلاقی صفات زیادہ ہیں۔ وہ انسانوں کے باہمی تعلقات کی بنیاد بھی محبت پر رکھتے ہیں۔ خداوند یسوع مسیح نے اپنی تعلیمات میں تمثیلی انداز، کہانیوں اور عام فہم باتیں بیان کیں۔

جن میں چیدہ چیدہ تعلیمات درج ذیل ہیں:

1۔ خدا محبت ہے۔

2۔ اپنے ہمسائیوں سے اپنی مانند محبت رکھنا۔

3۔ اپنے قصورواروں کو معاف کرنا۔

4۔ اپنے دُشمنوں سے محبت کرنا اور ان کے لیے دُعا کرنا۔

5۔ گناہوں کی معافی کے لیے خدا کے حضور پکارنا۔

6۔ خداوند یسوع مسیح کو گنہگاروں کو معاف کرنے کا بھی اختیار تھا۔

7۔ گناہوں کی معافی لازم ہے۔

8۔ ریاکار نہ بنو۔

9۔ کسی کی عدالت (عیب جوئی) نہ کرو۔

10۔ آسمان کی بادشاہی تمھارے نزدیک ہے۔

خداوند یسوع مسیح کے معجزات:

آپ نے ''خدا کی بادشاہی'' قائم کرنے کے لیے مسیحیت کی تبلیغ شروع کی۔ خداوند یسوع مسیح مختلف علاقوں میں مسیحی تعلیمات کا پرچار کرتے تو ساتھ ساتھ معذوروں اور بیماروں کو بھی تندرست کرتے، برے اعمال میں گرفتار لوگوں کو شفا دیتے، لنگڑوں کو چلاتے، اندھوں کو بینائی دیتے اور مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ کچھ مشہور ترین معجزاتی واقعات میں لعزر نامی مردہ کو قبر سے اٹھانا، پانی پر چلنا اور پیدائشی اندھے کو ٹھیک کرنا شامل ہے۔ ان معجزات اور ان کی غیر معمولی شخصیت نے لوگوں کو بہت متاثر کیا۔ ان کے وعظ میں خدا کی بادشاہی کے قیام، لوگوں کی اصلاح اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ وہ معاشرے کے ٹھکرائے اور دھتکارے ہوئے لوگوں کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے اور کھاتے پیتے تھے۔ اس طرح وہ معاشرے میں عجز وانکسار کا نمونہ بن گئے۔

خداوند یسوع مسیح کی مصلوبیت، موت اور دوبارہ جی اُٹھنا:

خداوند یسوع مسیح کے نچلے طبقے سے تعلقات کو یہودیوں کے اعلیٰ طبقے نے نہ صرف بُرا محسوس کیا بلکہ اس پر ناراضی کا اظہار بھی کیا۔ ہیکل میں کیے جانے والے اقدام نے یہودی علما کو ناراض کیا۔ غریبوں کی حمایت اور حقوق کی پاسداری کرنے کی بنا پر انھوں نے مذہبی اور حکومتی قوتوں کو للکارا، جس کی پاداش میں انھیں گرفتار کیا گیا اور صلیب پر چڑھا دیا گیا۔

مسیحی، خداوند یسوع مسیح کے دوبارہ جی اُٹھنے کو اپنے ایمان کا سنگ بنیاد سمجھتے ہیں اور خداوند یسوع مسیح کی مصلوبیت کو تاریخ کا سب سے اہم واقعہ سمجھا جاتا ہے۔ مسیحی عقائد کے مطابق خداوند یسوع مسیح کی موت اور جی اٹھنا، دو بنیادی واقعات ہیں جن پر مسیحی نظریات اور الٰہیات کی بنیاد ہے۔ نئے عہد نامہ کے مطابق، خداوند یسوع مسیح کو مصلوب کیا گیا، موت آئی، قبر میں دفن کیے گئے، اور تیسرے دن مردوں میں سے جی اُٹھے۔ وہ مرنے کے تیسرے روز جی اُٹھے اور یُوحنّا کی اِنجیل کے مطابق اپنے شاگردوں کے سامنے چالیس دن تک مختلف مقامات پر ظاہر ہوتے رہے۔

نئے عہد نامہ میں خداوند یسوع مسیح زندہ ہونے کے بعد گیارہ رسولوں پر، اس کے علاوہ ایک ساتھ پانچ سو سے زیادہ شاگردوں پر ظاہر ہوئے۔ خداوند یسوع مسیح کی مصلوبیت، موت اور جی اٹھنے کو مسیحیوں کے ذریعہ تمام عبادات میں یاد کیا جاتا ہے۔ مقدّس ہفتہ کے دوران خاص زور دیا جاتا ہے جس میں مبارک جمعہ (Good Friday) اور ایسٹر والا اتوار (Easter Sunday) شامل ہیں۔ یسوع کی موت اور جی اُٹھنے کو عام طور پر مسیحی الٰہیات میں سب سے اہم واقعات تصور کیا جاتا ہے۔

خداوند یسوع مسیح کے حواری:

دورانِ تبلیغ جب خداوند یسوع مسیح روحانی تجربے سے گزرے اور گلیل کی طرف روانہ ہوئے تو انھوں نے مختلف اوقات اور مختلف علاقوں سے اپنے بارہ شاگرد منتخب کیے جنھیں بعد میں رسولوں کا لقب دیا گیا۔ پھر خداوند یسوع مسیح نے اپنے بارہ شاگردوں کو بھیجا اور اُن کو حکم دے کر کہا کہ چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔ خداوند یسوع مسیح نے ان بارہ شاگردوں کے ساتھ مختلف علاقوں کا سفر کیا اور لوگوں کے بڑے گروہوں کو تعلیم دی اور وہ کام انجام دیے جسے آپ کے شاگردوں نے معجزات کے طور پر بیان کیا ہے۔ بیماروں کو اچھا کرنا، مردوں کو زندہ کرنا، کوڑھیوں کو پاک صاف کرنا اور بدروحوں کو نکالنا۔ خداوند یسوع مسیح کے آسمان پر اُٹھائے جانے کے بعد آپ کے حواریوں کے ذریعے مسیحیت قدم بقدم ترقی کرتی رہی اور تقریباً پوری دنیا میں مسیحیت پھیل گئی۔

ان بارہ رسولوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ شمعون پطرس	2۔ اندریاس	3۔ زبدی کا بیٹا یعقوب	4۔ زبدی کا بیٹا یوحنا
5۔ فلپس	6۔ برتلمائی	7۔ توما	8۔ متی (محصول لینے والا)
9۔ حلفئی کا بیٹا یعقوب	10۔ تدی	11۔ شمعون قنانی	12۔ یہوداہ اسکریوتی

مسیحیت کی تبلیغ واشاعت:

خداوند یسوع مسیح کے آسمان پر اُٹھائے جانے کے بعد ان کے حواریوں خصوصاً مقدس پولس (St. Paul) نے مسیحیت کی تبلیغ جاری رکھی۔ شہنشاہ نیرو کے عہد (454ء۔468ء) میں حواریوں کے سردار مقدس پطرس (St. Peter) اور مقدس پولوس (St. Paul) نے مسیحیت کے پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کیا لیکن انھیں شہید کر دیا گیا۔ بہر حال مسیحیت پھیلتی چلی گئی۔ جب رومی شہنشاہ قسطنطین (Constantine) نے مسیحیت اختیار کی تو رومی سلطنت میں مذہبی رواداری بدل گئی۔ اس وقت مسیحیوں کے کئی گروہ تھے جن کے بارے میں مختلف خیالات تھے کہ صحیفے کی تشریح کیسے کی جائے اور کلیسیا کے کردار کو کیسے بیان کیا جائے۔

312ء میں قسطنطین (Constantine) نے میلان کے حکم سے مسیحیت پر سے پابندی ہٹادی۔ بعد میں اس نے مسیحیت کو متحد کرنے اور نیکین عقیدہ قائم کر کے چرچ کو تقسیم کرنے والے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی۔ بہت سے علما کا خیال ہے کہ قسطنطنیہ کی تبدیلی مسیحی تاریخ میں ایک اہم موڑ تھا۔ 312ء کے بعد مسیحیت کو روم (Rome) کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا۔ رومن کیتھولک کلیسیا مسیحی مذہب کا مرکز بن گئی۔ چناں چہ مرکزی گرجا گھر روم میں قائم ہوا۔ قسطنطنیہ (Constantipole) (موجودہ استنبول) نے اختلاف کیا تو 1054ء میں آرتھوڈکس فرقہ وجود میں آیا اور پھر مارٹن لوتھر نے سولھویں صدی عیسوی میں تحریک چلائی جس سے پروٹسٹنٹ فرقہ وجود میں آیا۔ سو سال تک کا یہ تنازع چلتا رہا۔ بعدازاں مسیحیت کے سب فرقے اپنی حدود میں کام کرنے لگے۔

مشنریوں میں سے ایک پولس رسول (St. Paul) تھا جو خداوند یسوع مسیح پر ایمان لانے سے پہلے مسیحیوں پر ظلم کیا کرتا تھا لیکن خداوند یسوع مسیح کے ساتھ روحانی ملاقات کے بعد پولس کا مسیحیت میں تبدیل ہونا رسولوں کے اعمال (نیا عہد نامہ) میں بیان کیا گیا ہے۔ پولس رسول نے انجیل کی تبلیغ کی اور رومی سلطنت، یورپ اور افریقہ میں کلیسیائیں قائم کیں۔ تبلیغ کے علاوہ پولس رسول نے نئے عہد نامے میں 27 میں سے 13 کتابیں لکھی ہیں۔ مغرب کی آبادی کا تقریباً 70% حصّہ مسیحی ہے۔ دنیا کے سب سے زیادہ آبادی والے براعظم افریقہ اور ایشیا میں مسیحیت بڑھ رہی ہے۔

مسیحیت کے فرقے:

مسیحیت کے فرقے مختلف نظریات اور الگ الگ روایات کو برقرار رکھے ہوئے ہیں اور الگ الگ طریقوں سے عبادت کرتے ہیں، لیکن ان کے عقیدے کا مرکز خداوند یسوع مسیح کی زندگی اور تعلیمات کے گرد گھومتا ہے۔

مسیحیت بڑے پیمانے پر تین فرقوں میں تقسیم ہے:

کیتھولک (Catholic)، پروٹسٹنٹ (Protestant) اور مشرقی آرتھوڈوکس (Eastern Arthodox)

1۔ کیتھولک فرقہ دنیا بھر میں پوپ(Pope)اور کیتھولک بشپس (Catholic Bishops) کے زیر انتظام ہے۔

2۔ آرتھوڈوکس (یا مشرقی آرتھوڈوکس) کو آزاد اکائیوں میں تقسیم کیا گیا ہے جن میں سے ہر ایک ہولی سنوڈ(Holy Synod) کے زیر انتظام ہے۔

3۔ پروٹسٹنٹ مسیحیت کے اندر متعدد فرقے ہیں،جن میں سے بہت سے بائبل کی تشریح اور چرچ کی تفہیم میں مختلف ہیں۔

مسیحی اجتماعی عبادت:

مسیحیوں کی عبادت گاہ کو چرچ یا گرجا گھر کہا جاتا ہے۔مسیحیوں کے ہاں عبادت اس قربانی کا شکرانہ ہے جو خداوند یسوع مسیح نے تمام انسانوں کی نجات کے لیے دی تھی۔مسیحی انفرادی اور اجتماعی طور پر عبادت کرتے ہیں۔وہ خالص نیت اور صدق دل کے ساتھ خدائے بزرگ و برتر کی عبادت کرتے ہیں۔مسیحی مذہبی رسومات کے مطابق اجتماعی عبادت گرجا گھروں میں مذہبی رہنما کی قیادت میں ادا کی جاتی ہے۔اس کے علاوہ گھر میں یا چرچ سے دُوری کی بنا پر انفرادی عبادت کسی جگہ پر بھی ادا کی جاسکتی ہے۔

تمام مسیحی گرجا گھروں میں مناسب، حیادار اور پاکیزہ لباس پہن کر عبادت کے لیے جاتے ہیں۔گرجا گھروں میں دری، قالین یا بینچ پر بیٹھ کر عبادت کی جاتی ہے۔مرد اور خواتین الگ الگ بیٹھتے ہیں۔مرد سر ڈھانپے بغیر عبادت کرتے ہیں اور عورتیں سر ڈھانپ کر عبادت میں شریک ہوتی ہیں۔بچوں کے لیے اتوار کو الگ سے عبادات کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں سنڈے سکول ٹیچر بچوں کو بائیبل مقدّس میں سے نبیوں کی زندگی اور مختلف کہانیوں کو پڑھ کر سناتی ہیں اور بائیبل مقدس کی مشہور آیات زبانی یاد کرواتی ہیں۔

مسیحی عبادت کا کچھ حصّہ کھڑے ہو کر ادا کیا جاتا ہے اور کچھ گھٹنے ٹیک کر ادا کیا جاتا ہے۔مسیحی اجتماعی عبادت کا ایک حصہ زبور، مزامیر اور مسیحی گیتوں کی شکل میں ادا کیا جاتا ہے۔عبادت کے دوران دعائیں مانگی جاتی ہیں۔عبادت کے دوسرے اہم حصہ میں پادری صاحب بائیبل مقدس میں سے حوالہ پڑھ کر خطبہ (Sermon) پیش کرتے ہیں۔عبادت کے اختتام پر پادری صاحب کلیسیا، ملک وقوم، امن وآشتی، برکات، انسانیت اور خدا کے رحم کے لیے دعا مانگتے ہیں اور آخر میں برکت کے کلمات سے جماعت کو رخصت کرتے ہیں۔

تکفین وتدفین:

مسیحیت میں جب کوئی قریب المرگ ہو تو عزیز واقارب روزہ رکھتے ہیں اور بیمار شخص کی شفا اور صحت یابی کے لیے خصوصی دعائیں کرتے ہیں۔مریض کو پاک تیل (اس تیل پر خصوصی دعا کر کے برکت دی جاتی ہے) لگایا جاتا ہے اور اس شخص کی وفات کے بعد سادہ پانی سے غسل دے کر میت کو کفن پہنایا جاتا ہے اور تابوت میں منتقل کیا جاتا ہے۔پادری صاحب بائبل مقدس سے مقررہ حصے کی تلاوت کرتے ہیں اور تابوت قبر میں اتار کر سیمنٹ کی سلیبوں سے ڈھانپ کر مٹی ڈال دیتے ہیں۔

قبر پر کتبہ لگایا جاتا ہے۔ہر سال تاریخ وفات پر مرنے والے کی زندگی کے سالوں کی شکرگزاری کی جاتی ہے اور مرنے والے کے گھرانے اور عزیز واقارب کی خیریت، ایمان میں مضبوطی اور مسیحی عقائد میں قائم رہنے کے لیے دعائیں کی جاتی ہیں اور شکرگزاری کی عبادت میں آنے والے تمام مہمانوں کے لیے کھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

موت کے بعد کی زندگی:

تمام مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ موت انسان کے لیے الٰہی فیصلے کا تجربہ ہے اوراس کے بعد دو منزلیں ہیں جنھیں فردوس اور جہنم کا نام دیا جاتا ہے بائبل مقدس موت کے بعد کی زندگی کا واضح بیان کرتی ہے جس میں جزا اور سزا شامل ہے جو لوگ مسیح کی مصلوبیت اور جی اٹھنے پر ایمان لاتے ہیں وہ فردوس میں دائمی جزا کے لیے منتقل ہو جاتے ہیں۔

پاکستان میں مسیحی:

پاکستان میں مسیحیوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل ہے۔ مسیحی عبادت گاہیں پورے ملک میں موجود ہیں، جو فنِ تعمیر کا عمدہ نمونہ ہیں۔ مسیحی شہریوں کو پاکستان کے تمام اداروں میں نمائندگی حاصل ہے اور آئین پاکستان مسیحیوں کو مکمل اقلیتی حقوق دیتا ہے اور اُنھیں ووٹ کا حق بھی حاصل ہے۔ پاکستان کے مسیحی زیادہ تر کیتھولک فرقے پر مشتمل ہیں اور ویٹیکن (Vatican City) ان کا مرکز رشد و ہدایت ہے۔ چرچ آف انگلینڈ (Church of England) کی طرح یہاں بھی چرچ آف پاکستان (Church of Pakistan) قائم ہے جو پروٹسٹنٹ فرقہ کی نمائندہ تنظیم ہے۔ وہ بھی اپنی مذہبی سرگرمیاں آزادی سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔ مسیحی پاکستان میں اپنے مذہبی تہوار بھی پوری آزادی سے مناتے ہیں اور ایک دوسرے کے مذہب اور مذہبی تہواروں کا احترام کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے مذہبی تہواروں میں شریک ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیے۔

1۔ خداوند یسوع مسیح کی حیات اقدس کے بارے میں تفصیل سے بیان کریں؟

2۔ مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت پر مفصل نوٹ لکھیں؟

3۔ خداوند یسوع مسیح کی تعلیمات کو تفصیلاً بیان کریں؟

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ دُنیا میں مسیحیت کے ماننے والوں کی تعداد کتنی ہے؟

2۔ نیرو بادشاہ کے دَور میں شاگردوں کا سردار کون تھا؟

3۔ مسیحیت کے تین بڑے فرقے کون سے ہیں؟

4۔ خداوند یسوع مسیح کے کوئی سے چھ حواریوں کے نام لکھیں۔

5۔ مسیحی اجتماعی عبادت کا طریقہ کار مختصر بیان کریں۔

6۔ مسیحی عقیدے کو بیان کریں۔

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ دنیا میں مسیحیوں کی تعداد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

(ا) دو ارب دس کروڑ (ب) دو ارب بیس کروڑ (ج) دو ارب تیس کروڑ (د) دو ارب اڑتیس کروڑ

2۔ خداوند یسوع مسیح کے بعد شاگردوں نے مسیحیت کی تبلیغ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔رکھی/ دی۔

(ا) ختم کر (ب) جاری (ج) کم کر (د) ا، ب، ج

3۔ خداوند یسوع مسیح مصلوب کیے جانے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کس دِن زندہ ہو گئے۔

(ا) پہلے دن (ب) دوسرے دن (ج) تیسرے دن (د) ساتویں دن

4۔ کسی شخص کے بیمار ہونے پر مسیحی گھرانوں میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے/ ہیں۔

(ا) عبادت منعقد کی جاتی (ب) مسح شُدہ تیل بیمار پر لگایا جاتا

(ج) بپتسمہ دیتے (د) کوئی خاص رسوم ادا نہیں کیا جاتیں

5۔ خداوند یسوع مسیح کی تعلیمات میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پر زور دیا گیا ہے۔

(ا) ہمدردی اور محبت (ب) معافی (ج) آسمان کی بادشاہی (د) ا، ب، ج

6۔ مسیحیت میں کیتھولک فرقہ کا سربراہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کہلاتا ہے۔

(ا) پادری (ب) بشپ (ج) پوپ (د) فادر

7۔ 313 عیسوی میں کس رومی شہنشاہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔نے مسیحیت سے پابندی ہٹا کر سرکاری مذہب قرار دیا۔

(ا) ہیرودیس (ب) پیلاطُس (ج) اگرپا بادشاہ (د) قسطنطین

(د) کالم (الف) کو کالم (ب) سے ملائیں اور جوابات کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
چرچ آف پاکستان	عہد نامہ جدید	
خدا باپ، یسوع مسیح بیٹا اور روح القدس	مسیحیت بطور سرکاری مذہب	
مسیحیت کا بڑا ماخذ	قسطنطنیہ	
روم	پروٹسٹنٹ	
313 عیسوی	عقیدہ تثلیث	
	نیرو	

(ہ) **طلبہ کے لیے سرگرمیاں:**

1۔ دُنیا کا نقشہ دیکھ کر اُن ممالک کی فہرست تیار کریں جن میں مسیحیوں کی اکثریت ہے۔

2۔ خداوند یسوع مسیح کی تعلیمات کے اہم نکات نوٹ کر کے ایک چارٹ بنائیں اور کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں

(و) **اساتذہ کے لیے ہدایات:**

1۔ خدمتِ خلق کے حوالے سے مسیحیوں کی خدمات طلبہ کو ذہن نشین کرائیں۔

☆☆☆☆

باب
3

اخلاقی اقدار

اجتماعی عدل ومساوات:

اخلاق انسانیت کا وہ جوہر خاص ہے، جس کے بغیر نہ کوئی فرد اچھا انسان بن سکتا ہے اور نہ مثبت بنیادوں پر کوئی معاشرہ پروان چڑھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کے برگزیدہ بندوں نے بنی نوعِ انسان کو سنوارنے کا بیڑا اُٹھایا، تو اُسی کی ہدایات کے مطابق افراد سے مخاطب ہوکر اُنھیں اخلاقی تعلیمات دیں۔ اُنھیں اندر سے بدلا اور پھر ان افراد نے جماعت کی شکل اختیار کی تو پورے معاشرے کو بدل ڈالا۔

تاریخ کے مختلف اَدوار کا جائزہ لیں، یا آج کے دَور میں افراد، اقوام اور مختلف ممالک کے باہمی تنازعات، جھگڑوں اور چپقلش کی وجوہات پر غور کریں، تو یہ حقائق سامنے آتے ہیں کہ انسانی تعصّبات ان سارے فسادات کی جڑ ہیں۔ انسان نے رنگ، نسل، زبان اور قومیت کی بنیاد پر اتنے فتنے کھڑے کیے ہیں کہ چاند پر کمندیں ڈالنے اور ترقّی کی انتہا تک پہنچنے کے باوجود انسانیت کے دکھوں میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ امیر اور غریب کے لیے انصاف کے پیمانے الگ الگ ہونے سے اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کے تصورات کو نقصان پہنچا ہے۔

اخلاقی اقدار جو مذہبی تعلیمات سے اخذ کی گئی ہیں۔ ان پر دنیا میں جہاں کہیں بھی عمل ہوا، وہاں امن و آشتی، سماجی انصاف اور انسانی مساوات کا دور دورہ رہا ہے۔ مختلف مذاہب میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ آقا و غلام کا فرق مٹ گیا اور رنگ، نسل اور قومیت کی ساری تفریق جاتی رہی۔

اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کسی بھی معاشرے اور اس کے اداروں کے تحفظ میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ جن معاشروں میں عدل و انصاف کا بول بالا ہو، وہاں لوگوں کے قلبی اطمینان کی وجہ سے ترقی کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔ اس سے خوش حالی آتی اور امن و امان قائم رہتا ہے جبکہ امن اور سکون کی وجہ سے ایسے معاشرے ہمیشہ قائم رہتے ہیں۔ اس کے برعکس جہاں جنس، نسل، رنگ اور قومیت کے امتیازات زیادہ ہوجائیں وہاں لوگوں کے دلوں سے ایک دوسرے کا احترام اُٹھ جاتا ہے۔ اخلاقیات کمزور ہوکر ختم ہوجاتی ہے، نیز نفرتیں اور کدورتیں بڑھ جاتی ہیں۔ آپ جانتے ہیں صرف رنگ و نسل کے امتیاز نے نیلسن منڈیلا کو 27 سال تک جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں رکھا اور اب بھی دُنیا میں لاکھوں انسان تعصّبات کا شکار ہیں۔

جنس کی بنیاد پر مرد و عورت میں امتیاز برتا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک حیاتیاتی عنصر ہے۔ اگرچہ عورت اور مرد کی جسمانی ساخت اور مزاج میں فرق ہے۔ قوت اور قوت کار میں فرق ہے اور ان کے دائرہ کار میں بھی فرق ہے لیکن اسے بنیاد بنا کر ترقی کے مواقع نہ دینا انصاف کے خلاف ہے۔ مغرب میں عورت کو آزادی رائے، ترقی، حرکت اور روزگار کے یکساں مواقع میسّر ہیں۔ روزگار کے یکساں مواقع ملنے کے باوجود اعلیٰ دماغی صلاحیتوں کے کاموں میں وہ مردوں سے پیچھے ہیں اور سائنس دانوں، فلسفیوں اور ادیبوں میں خواتین کی تعداد برابر نہیں۔ اُنھیں انتخابات میں حصہ لینے، کسی بھی شعبہ حیات میں آگے بڑھنے دولت، قوت اور مراعات کے حصول کی مکمل آزادی ہے اور اس میں کوئی تعصب روا نہیں رکھا جاسکتا۔ جنس کی بنیاد پر امتیاز روا رکھنا نا صرف قانوناً غلط ہے، بلکہ اخلاقی تقاضوں کے بھی سراسر خلاف ہے۔

اخلاقی تعلیمات نفرت اور تعصب سے دُور رہنے کا سبق دیتی ہیں۔ انسان نے جب سے مذہبی اور اخلاقی اقدار کو بھلا دیا ہے۔ اس وقت سے تعصّبات بڑھ گئے ہیں۔ اجتماعی شعور کی بیداری اور تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود انسان ایک دوسرے کو تباہ کر رہے ہیں۔ جنگ عظیم دوم میں نازیوں نے نسلی تعصّبات کی بنیاد پر دنیا کو روند ڈالا۔ افریقی نسل کے نیگرو افراد کو دو سو سال غلامی میں گزارنا پڑے اور جنوبی افریقہ کی گوری اقلیت طویل عرصے تک کالوں کی اکثریت پر جبر سے حکمران رہی۔ اسی طرح لسانی تعصب کی وجہ سے ایک دوسرے کی جان تک لینے سے گریز نہیں کیا جاتا۔ ان تمام نفسی بیماریوں کا علاج صرف اخلاقی تعلیمات سے ممکن ہے۔

تمام مذاہب اجتماعی عدل اور انسانی مساوات پر زور دیتے ہیں۔ مذہب تقدس کا حامل ایک سماجی ادارہ ہے جو سماج پر بہت سے اثرات مرتب کرتا ہے۔ یہ تعصّبات اور طبقاتی کشمکش کی جڑیں کاٹتا ہے اور معاشرے میں اس سے امن اور خوش حالی آتی ہے۔ البتہ مختلف مذاہب میں فاصلہ بڑھ جائے، یا رواداری ختم ہو جائے یا عوام مذاہب کی روح مطالب سمجھنے سے قاصر ہوں، تو مذہبی تعصب اجتماعی عدل میں رکاوٹ بنتا ہے اور انسانوں میں انتہا پسندی کو پروان چڑھاتا ہے۔

مختلف مذاہب نے اجتماعی عدل پر زور دیا ہے۔ یہودی عالم جوناتھان ساکس (Jonathan Sacks) کے مطابق اجتماعی عدل کو یہودی مذہب میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اسی طرح مسیحیت کی سماجی تعلیمات میں اجتماعی عمل کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ کیتھولک چرچ کی تاریخ میں بھی اجتماعی عدل کو بلند مقام حاصل رہا ہے اور اس کی تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ اجتماعی عدل سے ہی قومیں زندہ رہتی ہیں۔ یہاں تک کہا گیا کہ گرجا گھر کی ذمہ داری ہے کہ وہ مہذب معاشرے (Civil Society) میں سماجی انصاف کے لیے اپنا کردار ادا کرے۔ سکھ مذہب، اسلام، مسیحیت، ہندو دھرم، زرتشت، بدھ مت، جین مت وغیرہ سب انسانی خدمت اور باہمی مساوات پر بہت زور دیتے ہے۔

مذاہب نے اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کو نہ صرف اپنی تعلیمات میں سمویا، بلکہ اسے عبادت کا درجہ دیا ہے۔ مالدار اور نادار کا فرق کم کرنے اور دولت کی ذخیرہ اندوزی روکنے کے لیے مختلف مذاہب میں مختلف نظام ہیں۔ صدقات وخیرات کی ادائیگی کو اعلیٰ درجہ کا عمل قرار دیا گیا ہے۔ اسلام کے نظامِ عبادات میں چھوٹے بڑے کی تفریق کو ختم کیا گیا ہے، خانہ خدا میں جو پہلے آئے وہ آگے جگہ پائے گا خواہ کوئی بھی ہو۔ تمام مذاہب انسانوں کو آدم کی اولاد بتا کر انسانی مساوات کی تعلیم دیتے ہیں۔

اسی طرح آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نے اپنے آخری خطبہ میں رنگ و نسل اور قومیت کی جڑ کاٹتے ہوئے فرمایا کہ کسی گورے کو کالے اور کسی عربی کو عجمی پر اور نہ ہی کسی عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت حاصل ہے فضیلت تو صرف پرہیز گاری کی بنیاد پر ملتی ہے۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نے نہ صرف غریبوں، بیواؤں، اپاہجوں، مسکینوں اور بے سہارا لوگوں کی مدد کا حکم دیا بلکہ تمام زندگی خود اس کا عملی نمونہ بھی پیش کیا۔

تمام مذاہب اخلاقی اقدار کے لیے ہمیشہ سے کوشاں رہے ہیں۔ مسیحیت نے خدمتِ خلق خصوصاً بیماروں کے علاج اور دکھی انسانیت کی خدمت کے لیے روشن مثالیں قائم کی ہیں اور اس سلسلے میں وہ کالے یا گورے کی تمیز روا نہیں رکھتے۔ مدر ٹریسا نے جُذامیوں کے علاج کے لیے ہسپتال بنوائے اور انھوں نے ساری زندگی ناداروں اور ایسے طبقے کے لیے وقت کر دی، جن کے کوئی قریب نہیں آتا تھا۔ اسی طرح سکھ مذہب میں غریبوں اور دیگر لوگوں میں پرشاد تقسیم ہوتا ہے، تو اس میں مذہب، رنگ و نسل یا قومیت کی کوئی تمیز نہیں کی جاتی۔

یہ اخلاقی اقدار افراد اپناتے ہیں اور افراد کا اخلاقی عمل معاشرے میں رونما ہوتا ہے۔اس طرح اخلاقی اقدار فرد سے معاشرے میں اور معاشرے سے اقوام میں مقبول اور رائج ہوتی رہتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب کے اولین مخاطب افراد ہوتے ہیں اور وہ اپنا سارا اخلاقی نظام افراد پر نافذ کرتے ہیں۔

معاشرتی ادارے

دنیا میں جہاں کہیں ظلم ہو،تعصّبات بڑھ جائیں یا انسانی مساوات کو ملیامیٹ کر دیا جائے،تو سمجھ لیں کہ وہاں انسان اخلاقی اقدار سے عاری ہو چکا ہے۔ظلم حد سے بڑھتا ہے تو اسی معاشرے سے کچھ لوگ حالات کا رخ بدلنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور یہ بات طے ہے، کہ کوئی معاشرہ اچھے انسانوں سے بالکل خالی نہیں ہوتا۔البتہ اجتماعی عدل کا قیام اور انسانی مساوات قائم کرنے کے لیے ادارے ضروری ہوتے ہیں۔آج بھی معاشرے میں حکومتی،غیر حکومتی اور بین الاقوامی سطح پر ایسے ادارے قائم ہیں جو اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کے لیے کوشاں ہیں۔

ریاستی ادارے:

ریاستی ادارے کسی ملک میں قانون کی حکمرانی قائم کر کے سماجی انصاف اور انسانی مساوات قائم کرتے ہیں۔ان میں مقنّنہ اور دیگر قانون ساز ادارے ہوتے ہیں۔ملک میں جمہوریت ہو تو عوامی مطالبات اور عدل وانصاف کے مطابق قانون سازی کی جاتی ہے لیکن کبھی کبھی حکمران طبقہ خود ایک فریق بن جاتا ہے۔مثلاً فیوڈل لارڈز اکثریت میں ہوں تو ایسے قوانین جو اُنھیں راس آتے ہیں۔امیر اور غریب کا تفاوت بڑھ جاتا ہے۔اسی طرح انتظامیہ اگر اخلاق سے عاری ہو تو رشوت اور سفارش کا دور دورہ ہے اور وہ انصاف نہیں کر پاتی۔ عدلیہ کا کردار سماجی انصاف اور انسانی مساوات قائم کرنے کے لیے ہی ہوتا ہے لیکن معاشرے کا بگاڑ زیادہ ہو اور آوے کا آوا بگڑ جائے تو حالات اس کے قابو میں آسانی سے نہیں آتے۔

یہ ادارے رنگ،نسل اور قومیت کے امتیازات تو نہیں برت پاتے، کہ ملک کے اندر اور بین الاقوامی سطح پر انسانی حقوق کی تنظیمیں جاگ رہی ہوتی ہیں۔البتہ تیسری دنیا کے نادار ممالک جہاں جہالت بھی ہے اور عوام اپنے حقوق کا حقیقی شعور بھی نہیں رکھتے، وہاں طبقاتی کشمکش میں عدل اور مساوات کو نقصان پہنچتا ہے۔یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ بڑی بڑی آسامیوں پر بھرتی کرتے وقت مطلوبہ تعلیمی لیاقت دیکھنے کے علاوہ افراد کی اخلاقی ساکھ کا بھی کھوج لگایا جائے۔

عوام کی فلاح وبہبود، جان ومال کی حفاظت، انصاف کی فراہمی اور خطّے کی حفاظت ریاست کی ذمہ داری ہے۔اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے حکومت قائم کی جاتی ہے۔ہر ملک میں حکومت بنانے کے الگ الگ طریقے ہیں۔ہمارے ملک پاکستان میں بھی حکومت بنانے کا فعال طریقہ موجود ہے۔

وفاقی اورصوبائی حکومت (Federal and Provincial Government):

اگر کسی ملک کا رقبہ زیادہ ہو،لوگوں کی زبان، وسائل، پیداوار اور رہن سہن مختلف ہوں،تو وہاں ایک حکومت بہتر نظم ونسق نہیں چلا سکتی۔ ایسے حالات میں ایک مرکزی اور کئی صوبائی حکومتیں بنانا پڑتی ہیں ۔ ایسی طرز حکومت کو وفاقی حکومت (Federal Government) کہتے ہیں۔ پاکستان میں وفاقی وپارلیمانی طرزِ حکومت رائج ہے۔ یہاں ایک مرکزی اور چار صوبائی حکومتیں ہیں ۔ 1973ء کے آئین کے تحت مرکز اور صوبائی حکومتوں کے درمیان اختیارات تقسیم کر دیے گئے ہیں۔

وفاقی حکومت کے عناصر:

حکومت تین عناصر پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ عناصر،مقننہ (Legislature)، انتظامیہ (Executive) اور عدلیہ (Judiciary) کہلاتے ہیں۔

وفاقی مقننہ (Legislature):

وفاقی مقننہ (Legislature) ایک ایسا ادارہ ہے جو قانون بنانے کا اختیار رکھتا ہے۔ یہ ادارہ حکومتی معاملات پر بھی نظر رکھتا ہے۔ یہ مقننہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ایوانِ بالا (Senate) اور ایوانِ زیریں (National Assembly)۔

ایوان بالا (سینٹ۔Senate):

ایوان بالا (سینٹ) تمام صوبوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ پاکستان میں اس کے ممبران کی تعداد 104 ہے۔ان ہی ممبران میں سے سینٹ کا چیئرمین اور ڈپٹی چیئرمین منتخب ہوتا ہے، جو سینٹ کے اجلاس کی صدارت کرتا ہے۔

ایوانِ زیریں (قومی اسمبلی۔National Assembly):

پاکستان میں ایوانِ زیریں کو قومی اسمبلی کہا جاتا ہے، جس کے ارکان کی تعداد 342 ہے۔ یہ عام انتخابات کے نتیجے میں وفاقی سطح پر قائم ہونے والا قانون ساز ادارہ ہے، جس کے ارکان براہِ راست عوام کے ووٹ سے منتخب ہوتے ہیں۔قومی اسمبلی کے اجلاس کی صدارت سپیکر یا ڈپٹی سپیکر کرتا ہے۔قومی اسمبلی کے ارکان وزیر اعظم کا انتخاب کرتے ہیں۔ وزیر اعظم کی زیر قیادت وزرا کی ایک جماعت (کابینہ) ہوتی ہے جو حکومت چلانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

(قومی اسمبلی)

قانون سازی کا طریقہ (Procedure of Legislation):

جب بھی کوئی نیا قانون بنانے کی ضرورت پیش آئے یا کسی موجودہ قانون کو بدلنا ہو تو عموماً ایوانِ زیریں یعنی قومی اسمبلی میں ایک بل (مسودہ) پیش کیا جاتا ہے۔ جس پر تفصیلی بات چیت اور بحث ہوتی ہے۔ ایوانِ زیریں کے ارکان سے منظوری کے بعد اسے ایوانِ بالا یعنی سینٹ میں بھیجا جاتا ہے تاکہ اس پر دوبارہ غور کیا جا سکے۔ دونوں ایوانوں کے ارکان جب اس بل کو منظور کر لیتے ہیں تو صدر کے پاس بھیجا جاتا ہے۔ صدر کی منظوری کے بعد یہ بل قانون کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

وفاقی انتظامیہ (Federal Executive):

مقننہ کے بنائے ہوئے قوانین کا نفاذ انتظامیہ (Executive) کرتی ہے۔ وفاقی انتظامیہ، وزیر اعظم اور کابینہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ وزیر اعظم وفاقی حکومت کا سربراہ ہوتا ہے۔ یہ حکومت ملک کے معاملات سنبھالتی ہے، جیسے زراعت، تعلیم، صحت، دفاع، اُمورِ خارجہ، اُمورِ داخلہ، ذرائعِ نقل و حمل اور سیر و سیاحت کے معاملات وغیرہ۔

وفاقی عدلیہ (Federal Judiciary):

وفاقی مقننہ کے بنائے ہوئے قوانین کا انتظامیہ (Executive) کے ذریعے نفاذ کو یقینی بنانے کے لیے عدلیہ کام کرتی ہے۔ یہ لوگوں کے حقوق کا تحفظ کرتے ہوئے انھیں انصاف فراہم کرتی ہے۔ قانون کو توڑنے والوں اور ان کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دینے کا اختیار سول، ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ آف پاکستان کو ہے۔ عدالتیں مقدمات کی سماعت اور قوانین کی تشریح کرتی ہیں۔ پاکستان کی سب سے بڑی عدالت، سپریم کورٹ آف پاکستان (Supreme Court of Pakistan) ہے، جو اسلام آباد میں واقع ہے، اس کا سربراہ چیف جسٹس آف پاکستان (Chief Justice of Pakistan) کہلاتا ہے۔ ملک کی تمام عدالتیں سپریم کورٹ کے ماتحت کام کرتی ہیں۔

(سپریم کورٹ آف پاکستان)

صوبائی حکومت:

ہمیں زندگی میں ہر روز بے شمار کام کرنا پڑتے ہیں۔ ان تمام کاموں کو کوئی شخص اکیلا سرانجام نہیں دے سکتا۔ اس لیے ہم تمام کام درست طریقے سے کرنے کے لیے آپس میں بانٹ لیتے ہیں۔ اس کو نظم و نسق کہتے ہیں اور نظم و نسق چلانے کے لیے حکومت کا ہونا بہت ضروری ہے۔

ہمیں بہتر معاشرتی زندگی کے لیے بہت سی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان میں امن وامان، خوراک، تعلیم، علاج، رہائش وغیرہ شامل ہیں۔ حکومت ہماری ان سب ضرورتوں کا خیال رکھتی ہے اور ایسا انتظام کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ گھر سے لے کر ضلع تک اور پھر پورے صوبے اور ملک میں کسی چیز کی کمی نہ ہو۔ اِس کے لیے مختلف محکمے بنا دیے گئے ہیں۔ امن وامان قائم کرنے کے لیے محکمہ پولیس، زرعی پیداوار بڑھانے کے لیے محکمہ زراعت، صحت وعلاج کے لیے محکمہ صحت، تعلیم کے لیے محکمہ تعلیم، کارخانوں اور صنعتی پیداوار کے لیے محکمہ صنعت وحرفت، لوگوں کے جان ومال کی حفاظت کے لیے اور قانون وانصاف کے لیے محکمہ قانون قائم ہے۔ یہ سب محکمے تحصیلوں، شہروں، اضلاع اور صوبے کی سطح پر کام کرتے ہیں اور فوری طور پر لوگوں کے مسائل حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ تمام اُمور قومی اور صوبائی حکومتیں مل کر سرانجام دیتیں ہیں جبکہ مرکزی حکومت ملکی سطح پر پالیسیاں بناتی ہے اور بین الاقوامی تعلقات قائم کرتی ہے۔ ہر محکمے کا سربراہ سیکرٹری کہلاتا ہے۔ سیکرٹری ایک وزیر کی نگرانی میں کام کرتا ہے۔ صوبے کا انتظامی سربراہ وزیرِ اعلیٰ کہلاتا ہے۔

صوبائی حکومت اور مرکزی حکومت:

اگر کسی ملک کا رقبہ زیادہ ہو، لوگوں کی زبان، وسائل، پیداوار اور رہن سہن مختلف ہوں، تو وہاں ایک حکومت بہتر نظم ونسق نہیں چلا سکتی۔ ایسے حالات میں ایک مرکزی اور کئی صوبائی حکومتیں ہوتی ہیں۔ ایسی طرزِ حکومت کو وفاقی نظامِ حکومت کہتے ہیں۔ پاکستان میں وفاقی و پارلیمانی طرزِ حکومت رائج ہے۔ یہاں ایک مرکزی اور چار صوبائی حکومتیں ہیں۔ 1973ء کے آئین کے تحت مرکز اور صوبائی حکومتوں کے درمیان اختیارات تقسیم کر دیے گئے ہیں۔

صوبائی حکومت کے عناصر:

صوبائی حکومت کے تین شعبے مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ ہیں۔ مقننہ قانون بناتی ہے۔ انتظامیہ اس قانون کا نفاذ کرتی ہے۔ عدلیہ ان قوانین کے مطابق انصاف کرتی ہے۔ ذیل میں ان تینوں اداروں کی تفصیل دی گئی ہے۔

1- صوبائی مقننہ (صوبائی اسمبلی):

(پنجاب اسمبلی)

صوبے میں قانون سازی صوبائی اسمبلی کرتی ہے جس کو عوام منتخب کرتے ہیں۔ صوبائی اسمبلی کا ممبر بننے کے لیے کم سے کم عمر 25 سال مقرر ہے۔ اسمبلی میں ایک سپیکر اور ایک ڈپٹی سپیکر ہوتا ہے جو صوبائی اسمبلی کی کارروائی اور معاملات کو چلاتے ہیں۔ سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کو صوبائی اسمبلی کے ممبران منتخب کرتے ہیں۔ صوبائی اسمبلی کا انتخاب پانچ سال کے لیے ہوتا

ہے۔صوبائی اسمبلی قانون بناتی ہے، بجٹ کی منظوری دیتی ہے اورصوبے کے اندر ٹیکس لگاتی ہے۔ چاروں صوبوں میں صوبائی اسمبلی میں ممبران کی تعداد اُس صوبے کی آبادی کے لحاظ سے مختلف ہیں۔

2- انتظامیہ:

صوبائی انتظامیہ صوبے میں قوانین کا نفاذ کرتی ہے۔ گورنر، وزیرِ اعلیٰ، صوبائی وزرا اور دوسرے اہلکار مل کر یہ کام سرانجام دیتے ہیں۔

گورنر:

صوبے کے گورنر کی تقرری صدرِ پاکستان کرتے ہیں۔ گورنر بننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ پاکستان کا شہری اور مسلمان ہو۔ گورنر کو صدرِ پاکستان وزیرِاعظم کے مشورے سے مقرر کرتے ہیں۔صوبائی اسمبلی کا اجلاس گورنر بلاتا ہے۔اسمبلی کا بنایا ہوا قانون اس وقت تک نافذ نہیں ہوسکتا جب تک گورنر اس پر دستخط کر کے اس کی منظوری نہ دے دے۔گورنر ضرورت کے مطابق آرڈیننس جاری کرنے کے علاوہ صوبائی بجٹ کی منظوری بھی دیتا ہے۔

وزیرِ اعلیٰ:

صوبائی حکومت کا سربراہ وزیرِ اعلیٰ ہوتا ہے، جسے 5 سال کے لیے صوبائی اسمبلی کے ممبران منتخب کرتے ہیں۔اسے اسمبلی میں اکثریت والی پارٹی کا اعتماد حاصل ہوتا ہے۔وزیرِ اعلیٰ کے لیے صوبائی اسمبلی کا ممبر ہونا ضروری ہے۔اس کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے۔ وہ صوبے کے مختلف محکموں کو چلاتا ہے۔صوبے کا نظم و نسق بہتر طریقے سے چلانے کی ذمہ داری اس کے سپرد ہوتی ہے۔وزیرِ اعلیٰ، صوبائی اسمبلی کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے۔وزیرِ اعلیٰ بجٹ، سالانہ جاری اخراجات، وفاقی حکومت سے رابطہ، مختلف محکموں کے دائرہ کار و اختیارات میں تبدیلی اور مختلف محکموں کے افسران کی تقرّری کرتا ہے۔

صوبائی کابینہ:

وزیرِ اعلیٰ صوبائی اُمور کو چلانے کے لیے مختلف وزرا کا تقرر کرتا ہے جو کابینہ کہلاتی ہے۔تمام وزرا اپنے محکموں کے لیے وزیرِ اعلیٰ اور صوبائی اسمبلی کو جواب دہ ہوتے ہیں۔ ہر محکمے کا انتظامی سربراہ صوبائی سیکرٹری ہوتا ہے۔ان محکموں کے معاملات صوبائی کابینہ میں پیش ہوتے ہیں۔تمام صوبائی سیکرٹریوں پر ایک چیف سیکرٹری ہوتا ہے۔ان تمام محکموں کے لیے صوبے میں صوبائی سیکریٹریٹ قائم ہوتا ہے۔

3۔ عدلیہ:

عدلیہ، صوبائی حکومت کا تیسرا اہم ادارہ ہے۔اس کا کام انصاف فراہم کرنا ہے۔ ہر ضلع میں ایک ڈسٹرکٹ سیشن جج ہوتا ہے جس کی سربراہی میں تمام سول جج ضلع اور تحصیل میں کام ہوتا ہے۔اگر کوئی شخص یا گروہ آپس میں لڑ پڑیں یا کسی جائیداد کا تنازع کھڑا ہو جائے تو معاملہ عدالت میں پیش کیا جاتا ہے۔عدالت دونوں فریقوں کی بات سنتی ہے۔جس کا مؤقف درست ہو، اس کے حق میں فیصلہ سنا دیتی ہے۔ ہر تحصیل اور ضلع میں عدالتیں ہوتی ہیں۔اگر کوئی یہ سمجھے کہ ان عدالتوں نے درست فیصلہ نہیں کیا تو معاملہ ہائی کورٹ میں پیش کر دیا جاتا ہے۔ ہائی کورٹ صوبے کی سب سے بڑی عدالت ہوتی ہے۔ یہ عدالت فریقین کی بات سنتی ہے اور پوری چھان بین کے بعد اپنا فیصلہ سناتی ہے۔اِس عدالت میں بہت سے جج ہوتے ہیں ہائی کورٹ کے سربراہ کو چیف جسٹس کہا جاتا ہے۔

سماجی ادارے

ان اداروں میں حکومتی اورغیر حکومتی (NGOs) دونوں قسم کے ادارے شامل ہیں جیسے ایدھی ٹرسٹ، سہارا ٹرسٹ، خواتین کی تنظیمیں، تجارتی، معاشی، سیاسی اور خدمتِ خلق کے ادارے وغیرہ۔ ان کے قیام کا بنیادی مقصد عوام کو ان کے حقوق دلانے میں مدد دینا ہے۔ ان سب کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ رنگ، نسل، وطن اور قومیت سے بالاتر ہو کر عوامی خدمات سرانجام دیں۔ مجموعی طور پر یہ ایسے سماجی خدمات کے مراکز ہیں، جن کا کام بھلائی اور خدمت کو آگے بڑھانا ہے۔ اخلاقی تربیت سے یہ ادارے اور بہتر ہو سکتے ہیں۔

کسی بھی معاشرے میں رہنے والے لوگ انفرادی طور پر اپنے حقوق کا تحفظ نہیں کر سکتے لہٰذا وہ مختلف مقاصد کے تحت مختلف تنظیمیں بناتے ہیں ہمارے ملک میں دو قسم کی تنظیمیں افراد کی فلاح و بہبود اور اُن کے حقوق کے تحفظ کے لیے کام کر رہی ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

1- رفاہی تنظیمیں　　　2- پیشہ وارانہ تنظیمیں

1- رفاہی تنظیمیں:

ہمارے اِردگرد بسنے والے سب لوگ ہمیں اپنے والدین، بہن بھائیوں اور دوستوں کی طرح ہی پیارے ہیں۔ اِسی لیے اگر خدانخواستہ سڑک پر کوئی حادثہ ہو جائے تو سب لوگ فوراً اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ زخمیوں کو ہسپتال لے جاتے ہیں اور جنھیں خون کی ضرورت ہو تو فوری طور پر خون دیتے ہیں۔ ایسا کرنے سے ایک طرف تو یہ خوشی ہوتی ہے کہ ہم کسی کے کام آئے اور پھر ایسا واقعہ کبھی ہمیں بھی پیش آ سکتا ہے۔ اُس وقت لوگ ہی ہماری مدد کو دوڑیں گے۔

ہمارے ملک میں بے شمار ایسے اِدارے قائم ہیں جو لوگوں کی بغیر کسی مالی فائدے کے خدمات فراہم کرتے ہیں۔ ان کو رفاہی تنظیمیں کہتے ہیں۔ یہ تنظیمیں افراد کی فلاح و بہبود اور ان کے حقوق کے تحفظ کے لیے کام کرتی ہیں تاکہ وہ بہتر اور خوشحال زندگی گزار سکیں۔ ان میں انجمنِ ہلالِ احمر، انجمن امدادِ باہمی، سوشل سکیورٹی سکیم، سوشل ویلفیئر کا محکمہ، ایدھی ٹرسٹ، دارالامان، انجمن حمایتِ اسلام، اَپوا، اوقاف اور ایس۔ او۔ ایس ولیج، ریسکیو 1122 وغیرہ شامل ہیں۔

2- پیشہ وارانہ تنظیمیں:

یہ تنظیمیں مختلف پیشوں کے افراد کے حقوق کے تحفظ کے لیے بنائی گئی ہیں۔ ان میں اساتذہ، ڈاکٹروں، صحافیوں، وکلا، تاجروں اور مزدوروں کے حقوق کی تنظیمیں شامل ہیں۔

مستقبل کی روشنی:

عدل و مساوات کے قیام کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ افراد، اقوام اور بین الاقوامی ادارے اخلاقیات سے انحراف کیوں کرتے ہیں یعنی اس سنگین ناانصافی کی جڑیں کہاں کہاں ہیں، تاکہ ان کا قلع قمع کیا جاسکے۔

دُنیا بھر کے عدل پسند لوگ یہ جانتے ہیں، کہ انسان انا پرست ہے اور تعصب کہیں نہ کہیں اس کے ضمیر میں موجود ہے۔ تعلیم کے عام ہونے، ترقی کی معراج پالینے اور چاند پر کمندیں ڈالنے کے باوجود زیادہ ترقی یافتہ قومیں اب بھی انصاف کے تقاضوں اور مساوات کے ضابطوں کو پامال کرتی نظر آتی ہیں۔ بڑے بڑے بین الاقوامی ادارے عدل قائم کرنے میں کوشاں ہیں اور آج بھی انسان عدل و انصاف کے حصول کے لیے کوشش کر رہا ہے۔

ان تمام دُکھوں کا مداوا اخلاقی اقدار کو صدقِ دل سے قبول کرنے، اور ان پر عمل کرنے میں مضمر ہے۔ عموی تعلیم کے ساتھ ساتھ اخلاقی تعلیم کا دائرہ وسیع کیا جائے۔

☆ وسائل کے حصول اور استعمال میں اقوامِ عالم اخلاقیات سے بالاتر نہ ہوں۔

☆ طمع، لالچ اور آسودگی میں انسان اس قدر کھو گیا ہے اور اخلاقیات کی زبان میں لذت کے حصول کے نظریے کو اپنا کر خدائے بزرگ و برتر سے رشتہ توڑ بیٹھا ہے۔ اب وہ صرف اپنی ذات یا خاندان کے لیے جیتا ہے۔ ضروری ہے کہ اخلاقی دباؤ بڑھا کر اسے قائل کیا جائے، کہ صرف اپنی ذات کے لیے جینا انسانیت کا معیار نہیں۔

☆ لوگ اُلفت و محبت، یگانگت اور انسانیت کے درد سے نا آشنا ہو رہے ہیں اور تکلیف دہ بات یہ ہے کہ احساس زیاں بھی نہیں ہے۔ اس سنگ دلی سے نجات اور دُکھی انسانیت کی خدمت کے لیے ضروری ہے کہ اخلاقی تعلیمات کو عام کیا جائے۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ اجتماعی عدل اور انسانی مساوات معاشرے اور ان کے اداروں کے محافظ کیوں کہلاتے ہیں؟

2۔ وفاقی حکومت کے کون کون سے عناصر ہیں۔ تفصیل سے بیان کریں۔

3۔ نوٹ لکھیں:

(i) صوبائی مقنّنہ (ii) وفاقی انتظامیہ (iii) رفاعی تنظیموں

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ بڑے بڑے تعصّبات اور امتیازات کون کون سے ہیں؟

2۔ اجتماعی عدل کے لیے کون سی چیز زیادہ موثر ہوسکتی ہے؟

3۔ کون سا ادارہ سماجی عدل اور انسانی مساوات میں زیادہ کردار ادا کرسکتا ہے؟

4۔ ریاستی ادارے جو اجتماعی عدل کے ضامن ہو سکتے ہیں وہ کون کون سے ہیں؟

5۔ صوبے کے وزیرِاعلیٰ کے انتخاب کا کیا طریقہ ہے؟

6۔ مختلف رفائی تنظیموں کے نام اور اُن کے کام بیان کریں۔

(ج) درست جواب کی نشاندہی کریں۔

1۔ ------------ انسانیت کا جوہرِ خاص ہے۔

(ا) تعلیم (ب) معیشت (ج) اخلاق (د) مساوات

2۔ عدل کے قیام کے لیے ---------------- ضروری ہے۔

(ا) قانون (ب) اخلاقی تعلیم (ج) انتظامیہ (د) عدلیہ

3۔ سماجی انصاف کی مثالیں ------------- میں موجود ہیں۔

(ا) اسلام (ب) مسیحیت (ج) بدھ مت (د) ا، ب، ج

4۔ اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کی راہ میں ------------- رکاوٹ ہے۔

(ا) تعصّبات (ب) نظریۂ لذّت (ج) اخلاقی تعلیم کا فقدان (د) ا، ب، ج

5۔ موجودہ دَور میں ناانصافیوں کی اہم ترین وجہ ------------- ہے۔

(ا) لالچ (ب) الفت و محبت کی کمی (ج) احساسِ زیاں کا فقدان (د) طاقت کا نشہ

6۔ وزیرِاعلیٰ صوبائی امور چلانے کے لیے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ چلاتا ہے۔

(ا) سیکرٹری (ب) صوبائی کابینہ (ج) صوبائی مشیر (د) ا،ب،ج

7۔ اخلاقی تعلیمات کو عام کیا جائے یہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کے لیے ضروری ہے۔

(ا) ملکی وسائل (ب) دُکھی انسانیت (ج) اعلیٰ تعلیم (د) ا،ب،ج

(د) خالی جگہ پُر کیجیے۔

1۔ جنس ایک۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ عنصر ہے۔

2۔ عدلیہ کا کام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ فراہم کرنا ہے۔

3۔ مقنّنہ کا کام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔

4۔ وسائل کے حصول اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں اقوام اخلاقیات سے عاری ہیں۔

5۔ تعلیم یافتہ انسان بھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تعلیم کی کمی کی وجہ سے تعصّبات کا شکار ہے۔

6۔ صوبے کے گورنر کی تقرری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کرتے ہیں۔

7۔ پاکستان کی سب سے بڑی عدالت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔

8۔ ہائی کورٹ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کی سب سے بڑی عدالت ہے۔

9۔ وفاقی مقننہ کے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ایوان ہیں۔

10۔ صوبائی اسمبلی کے ممبر کے لیے کم سے کم عمر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔

(و) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1۔ اجتماعی عدل کے موضوع پر ایک گروہی مباحثہ کیجیے۔

2۔ اپنے ادارے میں عدمِ مساوات کے عناصر کی نشان دہی کیجیے اور انھیں مل کر درست کرنے کی جدو جہد کریں۔

(ہ) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ طلبہ کو پاکستان میں مختلف رفاہی اداروں کی خدمات سے آگاہ کریں۔

☆☆☆☆

باب 4

آداب

کام کی جگہ کے آداب:

(کام کی جگہ کے آداب)

دُنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے ہر انسان کوئی نہ کوئی کام کرتا ہے۔ کوئی کاروبار کرتا ہے تو کوئی کسی کمپنی، کارخانے یا کسی ادارے میں ملازمت کرتا ہے۔ یہ تمام روزگار کے سلسلے ہیں۔ البتہ ہر جگہ کام کرنے کے لیے کچھ آداب ہوتے ہیں جن پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ہم کسی ادارے کے منتظم ہوں، کسی کارخانے میں مزدور یا کسی دفتر میں ملازم ہوں۔ وہاں کے قوانین وضوابط، اخلاق اور کچھ آداب پورے کرنے ہی سے آپ باوقار طریقے سے اپنے منصب سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ ان آداب پر عمل کرنے سے جہاں قومی پیداوار بڑھتی ہے، وہاں کام کی جگہ کا ماحول بھی خوش گوار ہوتا ہے اور انفرادی قوتِ کار میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ پہلے چند عمومی نوعیت کے آداب بیان کیے جاتے ہیں، جن کا ہر کام کی جگہ (Work Place) پر خیال رکھنا ضروری ہے۔

خدمت گار اور آداب:

فرد گاؤں میں رہے یا شہر میں وہ اکیلا اپنی جملہ ضرورتیں پوری نہیں کر سکتا۔ کاروبار یا ملازمت کرتے ہوئے ہم صرف ایک کام کر سکتے ہیں جبکہ ضرورتیں بے شمار ہوتی ہیں، اور یہ ضرورتیں پوری کرنے میں بہت سے افراد ہمارے مددگار ہوتے ہیں۔ ٹیلی فون، بجلی، سوئی گیس، محکمہ صحت کے کارکنوں، ڈاکخانے کے ملازمین، شہر کی صفائی کرنے والے اس کے علاوہ گھروں میں کام کرنے والے ملازمین ان سب سے ہم بہت سی خدمات لیتے ہیں۔ خوشی وغمی کے موقع پر بڑے پیمانے پر لوگوں کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔

ان خدمت گاروں سے پیش آنے کے چند آداب درج ذیل ہیں:

- خدمات سرانجام دینے والوں کے لیے ضروری ہے، کہ وہ شکایات کا ازالہ فوری کریں خصوصاً بڑے اداروں کے سرکاری ملازمین کے لیے اہم ہے، کہ وہ صارفین کو ان کا حق خوش اخلاقی اور خوش اسلوبی سے پہنچائیں، وہاں صارفین کے لیے بھی ضروری ہے، کہ وہ تلخی کے بجائے ان خدمت گاروں سے عزت واحترام کے ساتھ پیش آئیں اور اُن کی عزتِ نفس کا خیال رکھیں۔
- محکمے پالیسیاں بناتے ہیں اور صارفین اپنا غصہ ملازمین پر نکالتے ہیں۔ اپنا ردِعمل ظاہر کرنے سے پہلے حقیقتِ حال سے آگاہی حاصل کر لیں اور احترامِ آدمیت کے تقاضے پورے کرتے ہوئے براہِ راست متعلقہ محکمہ سے رجوع کریں۔

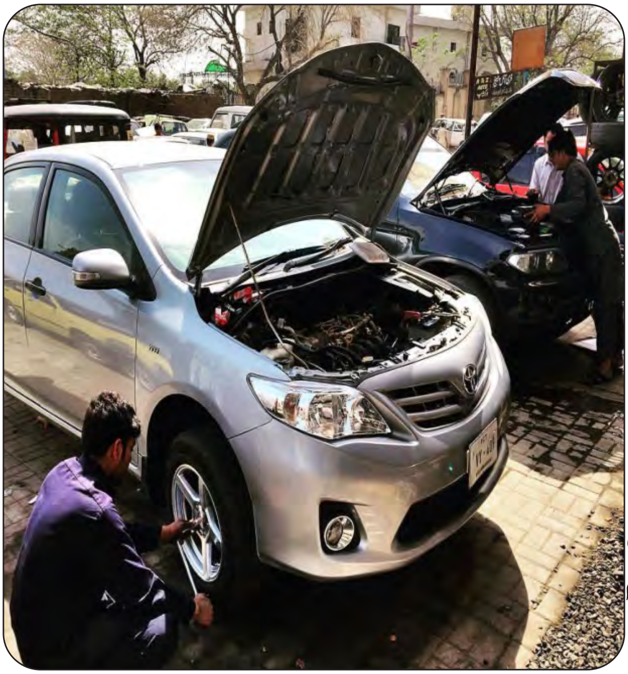

- گھریلو ملازمین آپ کی خصوصی توجہ کے مستحق ہوتے ہیں۔ مہنگائی کے دَور میں ان کے لیے جینا مشکل ہو گیا ہے۔ وہ کئی گھروں میں بیک وقت کام کرنے پر مجبور ہیں۔ ان کی مجبوریوں کا احساس کریں، ممکن ہے وہ قدرتی آفات یا بدقسمتی سے گھروں کی صفائی اور برتن دھونے پر مجبور ہوئے ہوں۔ جھڑکیاں دے کر ان کے دُکھوں میں اضافہ نہ کریں بلکہ ان کی عزتِ نفس کا خیال رکھیں۔
- گھریلو ملازمین کو معقول معاوضہ دیں۔ مقررہ معاوضے کے علاوہ بھی کپڑے یا اجناس کی شکل میں ان کی مدد کریں۔ بڑے گھروں میں بچا ہوا کھانا کوڑے دان میں ڈال دیا جاتا ہے، جب کہ اس سے بہت سے ضرورت مند استفادہ کر سکتے ہیں۔ غصے میں لعن طعن، بدزبانی اور بدکلامی سے پرہیز کریں۔ آپ ملازمین کی عزت کریں تو وہ آپ پر جان نچھاور کرنے کو تیار ہوں گے کیونکہ احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے۔
- کچھ خدمات گار کبھی کبھار آنے والے ہوتے ہیں اور کچھ روزانہ آتے ہیں، مثلاً کیبل آپریٹر/ الیکٹریشن/ سینٹری ورکر/ گلی کا چوکیدار/ ڈرائیور وغیرہ بہرحال اُن سب سے عزت سے پیش آئیں۔
- گاڑی/ موٹر سائیکل وغیرہ ٹھیک کروانے کے لیے ورکشاپ جانا پڑتا ہے تو وہاں موجود کام کرنے والے لوگوں سے عزت و احترام سے پیش آئیں۔ چھوٹے بچوں/ بچیوں سے کام کروانا قانوناً جرم ہے اس لیے دُکانوں، ورکشاپس یا گھروں میں چھوٹے بچے/ بچیوں کو کام پر مت رکھیں۔
- اشیا کی ترسیل (Online) آج کل ایک عام پیشہ ہے، آپ آن لائن آرڈر کے ذریعے گھریلو اشیا، کھانے پینے کی چیزیں، کپڑے اور دوسری عام استعمال کی چیزیں منگواتے ہیں۔ ڈلیوی بوائے کے آنے سے پہلے پیسے وغیرہ تیار رکھیں اور اُنکو انتظار نہ کروائیں۔
- خدمت گاروں کے لیے بھی ضروری ہے کہ کام کی جگہ پر پابندی وقت کا خیال رکھیں اس سے کام میں اور انتظامیہ میں خوش گوار تاثر پیدا ہوتا ہے۔
- کام کو پوری لگن اور محنت سے کریں۔ کام کے دوران جو ذمہ داری دی گئی ہو۔ اُسے پوری ایمان داری سے نبھائیں۔ کام کے دوران کھانا کھانے یا عبادت دیے گئے وقت میں مکمل کریں اور بے جا وقت ضائع نہ کریں۔

ملاقاتی اور آداب:

- کام کی جگہ پر آنے والے کئی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ان میں کچھ تو منتظمین یا ادارے کے سربراہ کے پاس ان کے بلانے پر آتے ہیں یا اور کچھ ذاتی شکایات لے کر حاضر ہوتے ہیں۔ یہ سب افراد قابلِ احترام ہوتے ہیں۔ان کے کام کیجیے اور انھیں عزت واحترام بھی دیجیے۔ بہت سے دفاتر میں ان لوگوں سے اچھا سلوک نہیں ہوتا۔انھیں خوش آمدید کہا جائے اور خوش دلی سے ان کے مسائل حل کیے جائیں اور ان کی شکایات کا ممکنہ حد تک فوری ازالہ کیا جائے۔
- کام کی جگہ پر آنے والے ملاقاتیوں میں کچھ لوگ صرف دوستوں سے ملنے یا گپ شپ کرنے کے لیے آتے ہیں۔ایسے ملاقاتی کو دس پندرہ منٹ سے زیادہ وقت نہ دیں، وہ بھی صرف کام کی صورت میں، ورنہ چھٹی کے بعد ملاقات کے اوقات طے کرلیں۔کام کی جگہ پر کام کرنے والوں کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو جلد فارغ کریں اور اپنے دفتری کام کی طرف توجہ دیں۔
- ملاقاتی سرکاری یا نجی ادارے کے فون، فیکس، فوٹو کاپیئر اور دیگر کارآمد مشینوں سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ طریقہ کار نہ صرف غیر قانونی ہے بلکہ اخلاقاً بھی ممنوع ہے۔اس عادت سے پرہیز کیجیے اور اگر کسی کو کرتا دیکھیں تو منع کریں۔ ادارے، ان کے افسران بالا، ماتحت عملہ اور دیگر کارکن ان اخلاقی تعلیمات پر صدق دل سے عمل کریں، تو نہ صرف ان میں باہمی محبت، انسیت اور الفت میں اضافہ ہوگا۔ بلکہ دفتر کی کارکردگی پر بھی مثبت اثرات مرتب ہوں گے اور اس ادارے کی عوام میں نیک نامی بھی ہوگی۔
- کوئی ملاقاتی آئے تو چائے/ پانی کا اہتمام کریں۔کسی کے گھر یا دفتر جائیں تو جتنا ممکن ہو سکے کوئی تحفہ یا سوغات لے کر جائیں۔
- ملاقات کے لیے کسی کے گھر یا دفتر جانا چاہتے ہیں تو پہلے فون کر کے اطلاع دیں اور اجازت لیں۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ کام کی جگہ پر منتظم کے لیے کون کون سے آداب ضروری ہیں؟

2۔ کام کی جگہ پر ماتحت عملے کو کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے؟

3۔ مختصر نوٹ لکھیے۔

(ا) کام کی جگہ کے آداب کی اہمیت (ب) خدمت گار اور آداب

(ب) مختصر جوابات لکھیے۔

1۔ کام کی جگہ پر آداب کا خیال رکھنے سے ماحول پر کیا اثر پڑتا ہے؟

2۔ فرد کو دوسرے لوگوں کی ضرورت کیوں اور کس لیے پڑتی ہے؟

3۔ گھریلو ملازمین سے کیسا سلوک کرنا چاہیے؟

4۔ کون سے لوگ خدمت کے لیے کبھی کبھار آتے ہیں؟

5۔ گھریلو ملازمین کی تنخواہ کے علاوہ کیسے مدد کی جا سکتی ہے؟

6۔ کام کی جگہ پر ملاقاتی آئیں تو کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے؟

(ج) دُرست جواب کی نشاندہی کریں۔

1۔ ایک ملازم کے لیے سب سے اہم ---------------- ہے۔

(ا) مشاہرہ (ب) عہدہ (ج) عزتِ نفس (د) ا، ب، ج

2۔ کام کی جگہ پر وقت کی پابندی کی جائے تو ---------------- ہے/ ہیں۔

(ا) ایک فرد کے وقار میں اضافہ ہوتا (ب) اس کے لیے ترقی کی راہیں کھلتی

(ج) انتظامیہ خوش ہوتی (د) آمدن میں اضافہ ہوتا

3۔ چھوٹے بچوں سے کام کروانا ---------------- ہے۔

(ا) اچھا (ب) رسم (ج) جرم (د) ا، ب، ج

4۔ آداب پر عمل سے فائدے میں رہتا ہے۔

(ا) منتظمِ اعلیٰ (ب) کارکن (ج) سرمایہ دار (د) ا، ب، ج

5۔ کام کی جگہ پر ملاقات کے لیے آنے والوں کو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(ا) تھوڑا وقت دیں (ب) گپ شپ کے بعد فارغ کریں

(ج) آنے سے منع کریں (د) ا، ب، ج

(د) درج ذیل جملوں میں "ص" اور "غ" کی نشاندہی کریں۔

1۔ ملازمین کا کام ہے کہ جیسے بھی ہو صارفین کو ان کا حق پہنچائیں۔

2۔ محکمے غلط پالیسیاں بنائیں تو ردِ عمل میں عوام ملازمین پر غم و غصے کا اظہار کرتے ہیں۔

3۔ تکرار نہ کریں تو آپ کی توقیر بڑھے گی۔

4۔ ملازمین نے مطالبات تسلیم کر لینے میں آپ کی عافیت ہے۔

5۔ کوئی ملاقاتی آئے تو اُسے چائے/ پانی پوچھیں۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1۔ ہر طالب علم اپنے والد/ والدہ سے ان کے ادارے/ کارخانے، دفتر کے آداب پوچھ کر نوٹ کرے۔

2۔ طلبہ کے گھروں میں گھریلو ملازمین سے کیسا سلوک کیا جاتا ہے ان سے پوچھ کر مشترک نکات اکٹھے کیے جائیں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ معاشرے میں ملازمین کے ساتھ غلط سلوک ایک روایت بنتی جارہی ہے۔ طلبہ میں شعور بیدار کریں کہ یہ روایت غلط ہے۔ اور اِسے تبدیل کرنے کے لیے طلبہ کو ہدایت کریں۔

2۔ طلبہ سے پوچھیں کہ اگر وہ بڑے ہو کر آفیسر بنیں گے تو ماتحتوں کے ساتھ کیا سلوک کریں گے اہم نکات لکھ کر انہیں کمرا جماعت میں آویزاں کرائیں۔

☆☆☆☆

باب 5

مشاہیر

عبدالستار ایدھی: (یکم جنوری 1928ء - 8 جولائی 2016ء)

(عبدالستار ایدھی)

عبد الستار ایدھی خدمتِ خلق کے شعبہ میں پاکستان اور دنیا کی جانی پہچانی شخصیت ہیں، وہ ایدھی فاؤنڈیشن کے تاحیات صدر رہے۔ ایدھی فاؤنڈیشن کی شاخیں تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کے بعد اِن کی بیوی بلقیس ایدھی فاؤنڈیشن کی سربراہ تھیں۔ دونوں کو 1986ء میں عوامی خدمات کے شعبہ میں رومن میگسیسی ایوارڈ (Ramon Magsaysay Award) سے نوازا گیا۔

حالاتِ زندگی:

عبد الستار ایدھی یکم جنوری 1928ء کو بھارت کی ریاست گجرات کے شہر جونا گڑھ کے گاؤں بانٹوا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کپڑے کے تاجر تھے جو متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ پیدائشی لیڈر تھے اور شروع سے ہی اپنے دوستوں کے چھوٹے چھوٹے کام اور کھیل تماشے کرنے پر حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

یہ ایک متوسط گھرانہ تھا جہاں دولت کی ریل پیل تو نہ تھی، لیکن گزر اوقات اچھی طرح ہو رہی تھی۔ وہ بچہ عام بچوں کی طرح پرورش پا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر کوئی بھی پیش گوئی نہ کر سکتا تھا کہ بڑا ہو کر یہ بچہ عالمگیر شہرت حاصل کرے گا۔ البتہ اس کی تربیت میں ایک بات معمول سے ہٹ کر ہوئی۔ وہ بچہ جب صبح سکول جاتا تو ماں روزانہ اسے دو پیسے دیتی، ایک اپنے لیے اور دوسرا کسی غریب بچے کے لیے وہ سادہ سی دیہاتی عورت تھی جو بچوں کی نشوونما اور تربیت کے نفسیاتی گُر تو نہیں جانتی تھی، لیکن اس کے دردمند جذبے نے بچے کے دل میں خدمتِ خلق کا جو بیج بو دیا، وہ ایک تن آور درخت بن گیا۔ جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں زمانے کی کڑی دھوپ کے ستائے لوگ سکھ کا سانس لیتے تھے۔ دُنیا کی اس طلسمی شخصیت (Legend) کا نام عبدالستار ایدھی تھا۔ اگرچہ تعلیم کے میدان میں زیادہ آگے نہ بڑھ سکے۔ مگر انسانیات میں بہت آگے تھے۔ اگرچہ عبدالستار ایدھی کی عمر 11 سال کی تھی کہ ماں کو فالج ہو گیا اور وہ ذہنی طور پر معذور ہو گئیں۔ ماں نے بچے کو خدمتِ خلق کا جو درس

دیا تھا وہ اسے بھولا نہیں تھا۔ وہ دن رات ماں کی خدمت میں لگا رہتا۔ منہ ہاتھ دُھلانا، کھانا کھلانا، صفائی پر توجہ دینا وغیرہ۔ بیماری نے طول پکڑا تو بچے کے ذہن میں خدمت کا جذبہ اور توانا ہو گیا۔ ایدھی نے ماں کی اذیت بھری زندگی کو جتنا قریب سے دیکھا۔ دکھی انسانیت کی خدمت کے لیے تڑپ اتنی ہی شدت اختیار کرتی گئی اور پھر انھوں نے بے سہارا لوگوں کی خدمت کے لیے زندگی وقف کر دی۔ عبدالستار ایدھی کی عمر 19 سال تھی جب ان کی والدہ وفات پا گئیں۔ 1947ء میں تقسیم ہند کے بعد ان کا خاندان بھارت سے ہجرت کر کے پاکستان آیا اور کراچی میں آباد ہوئے۔

ایدھی کی بیگم بلقیس ایدھی ایک فری میٹرنٹی ہوم چلاتی تھیں اور بے سہارا بچے اپناتی تھیں۔ ایدھی کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ انھوں نے اپنے گھر کے اخراجات کے لیے الگ سے بندوبست کیا ہوا تھا اور وہ فاؤنڈیشن کا کوئی پیسہ اپنی ذات پر خرچ نہیں کرتے تھے اور نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ عام طور پر ملیشیا کے کپڑوں میں ملبوس ہوتے تھے۔ صبح سویرے چار پانچ بجے اُٹھتے تھے۔ اپنی صبح کا آغاز تلاوتِ قرآن مجید سے کرتے تھے اور وہ زندہ رہنے کے لیے کم سے کم خوراک کھاتے تھے۔

ایدھی فاؤنڈیشن کی ابتدا:

1951ء میں ایدھی نے اپنی جمع پونجی سے ایک چھوٹی سی دکان خریدی اور اسی دکان میں آپ نے ایک ڈاکٹر کی مدد سے چھوٹی سی ڈسپنسری کھولی جس نے ان کو طبی امداد کی بنیادی باتیں سکھائیں۔ اس کے علاوہ آپ نے یہاں اپنے دوستوں کو تدریس کی طرف بھی راغب کیا۔ آپ نے سادہ طرز زندگی اپنایا۔ آپ ڈسپنسری کے سامنے بنچ پر ہی سو جاتے تھے تاکہ کوئی مریض مایوس نہ لوٹے اور بوقت ضرورت فوری طور پر اُس کی مدد کو پہنچ سکیں۔ کچھ عرصے بعد انھوں نے ''مدینہ ٹرسٹ'' کے نام سے الگ ٹرسٹ بنالیا جو بعد میں ''عبدالستار ایدھی ٹرسٹ'' بن گیا۔ ان کے رفاہی کاموں کی وجہ سے لوگوں کا اعتماد بڑھتا گیا اور کام پھیلتا گیا۔

1957ء میں کراچی میں بہت بڑے پیمانے پر فلو کی وبا پھیلی جس پر ایدھی نے فوری طور پر ردعمل دیا۔ انھوں نے شہر کے نواح میں خیمے لگوائے اور مفت مدافعتی ادویات فراہم کیں۔ مخیر حضرات نے ان کی دل کھول کر مدد کی۔ امدادی رقم سے انھوں نے وہ پوری عمارت خرید لی جہاں ڈسپنسری تھی اور وہاں زچگی سنٹر اور نرسوں کی تربیت کے لیے سکول کھول لیا اور یہی ایدھی فاؤنڈیشن کا آغاز تھا۔

ایدھی فاؤنڈیشن کی ترقی:

آنے والوں سالوں میں ایدھی فاؤنڈیشن کی شاخیں پورے پاکستان میں پھیل گئیں۔ فلو کی وبا کے بعد ایک کاروباری شخصیت نے ایدھی کو کافی بڑی رقم کی امداد دی جس سے انھوں نے ایک ایمبولینس خریدی جس کو وہ خود چلاتے تھے۔ کراچی اور اندرون سندھ میں امداد کے لیے وہ خود جاتے تھے اور ایدھی فاؤنڈیشن ہمیشہ حادثات پر فوری ردّ عمل کرتا تھا۔ ہسپتال اور ایمبولینس خدمات کے علاوہ ایدھی فاؤنڈیشن نے کلینک، زچگی گھر، پاگل خانے، معذوروں کے لیے گھر، بلڈ بنک، یتیم خانے، لاوارث بچوں کو گود لینے کے مراکز، پناہ گاہیں اور سکول کھولے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ فاونڈیشن نرسنگ اور گھرداری کے کورس بھی کرواتی ہے۔ ایدھی مراکز کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہر ایدھی مرکز کے باہر بچہ جھولے کا اہتمام ہوتا ہے تاکہ جو لوگ بچے کی دیکھ بھال غربت کی وجہ سے نہیں کر سکتے وہ اُنھیں اپنے بچے کو یہاں چھوڑ کر جا سکیں۔ ان بچوں کو ایدھی فاونڈشن اپنے یتیم خانوں میں پناہ دیتے ہیں اور ان کو مفت تعلیم دی جاتی ہے اور ان کو یہاں نارمل بچوں کی طرح زندگی کی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں اور اپنے بچوں کی طرح پالا جاتا ہے۔

اب ایدھی فاؤنڈیشن پاکستان کا سب سے بڑا رفاہی ادارہ ہے۔ اس کی 256 شاخیں خدمت کے لیے چوبیس گھنٹے کھلی رہتی ہیں۔ ان کے پاس 700 سے زائد ایمبولینس ہیں۔ ایئر ایمبولینس میں دو طیارے اور ایک ہیلی کاپٹر بھی میسر ہیں۔ کراچی میں ایمبولینس کنٹرول روم ہے، جسے موبائل وائرلیس نظام سے جوڑ دیا گیا ہے۔ اطلاعات کا پورا نظام کام کر رہا ہے۔ ملک بھر میں کہیں بھی حادثہ ہو، انھیں فوری اطلاع ملتی ہے۔ پولیس اور دیگر سرکاری ادارے بھی ان سے معلومات اور مدد لیتے ہیں۔ ایدھی کے مختلف رفاہی مراکز میں دو ہزار ملازم کام کرتے ہیں جن میں 500 خواتین بھی شامل ہیں۔ تقریباً چھ ہزار مرد اور خواتین بلا معاوضہ رضا کارانہ خدمات سر انجام دیتے ہیں۔

ایدھی فاونڈیشن کی خدمات کا دائرہ دیگر ممالک تک وسیع ہو چکا ہے۔ دنیا بھر میں کہیں زلزلہ، طوفان، قدرتی آفات یا جنگ سے تباہی پھیلے، ایدھی فوراً ضروری امدادی سامان لے کر پہنچتے تھے۔ انھوں نے افغانستان، لبنان، بنگلہ دیش، ایتھوپیا، آرمینیا، ایران، کویت، عراق، رومانیہ، جاپان اور ترکی میں سماجی خدمات سرانجام دیں۔ ایدھی انٹرنیشنل کے تحت کئی ایک منصوبے زیرِ تکمیل ہیں۔ چھ ارب ڈالر کے خرچ سے دوبئی میں ایدھی سنٹر قائم کیا گیا، جس سے افریقی ممالک میں خدمات سر انجام دینا آسان ہو جائے گا۔

ایدھی فاونڈیشن مختلف اقسام کی خدمات سر انجام دے رہا ہے۔ ایدھی کا خدمتِ خلق کے میدان میں تجربہ بہت وسیع تھا۔ وہ ایسی خدمات سر انجام دے رہے تھے، جن کے بارے میں عام آدمی کچھ بھی نہیں جانتا۔ اسی طرح ان کے مستقبل کے منصوبے دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ انسانوں کے دُکھوں کی فہرست کتنی طویل اور ایدھی کی سوچ کا دائرہ کتنا وسیع ہے۔ یتیم اور بے سہارا، گھروں سے بھاگے ہوئے اور ذہنی معذور بچوں کے لیے انھوں نے ''اپنا گھر'' کے نام سے ادارے قائم کیے تھے۔ انھیں فرصت میسر آتی تھی تو وہاں جا کر بچوں سے پیار کرتے تھے۔ بچے بھی انھیں دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ وہ سب انھیں ''نانا جی'' کہتے تھے۔ کینسر ریسرچ ہسپتال اور انٹرنیشنل کمیونٹی سنٹر بھی قائم کیے تھے۔ انھوں نے بیمار، زخمی اور لنگڑے جانوروں کے لیے مراکز بھی قائم کیے تھے۔

ایدھی انٹرنیشنل ایمبولینس فاونڈیشن:

فاونڈیشن نے صرف پاکستان میں ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی ترقی کی ہے۔ اسلامی دنیا میں ایدھی فاؤنڈیشن ہر مصیبت اور مشکل وقت میں اہم مدد فراہم کرتی ہے۔ جہاں امداد اور نگرانی ایدھی بذاتِ خود اُن متاثرہ ممالک میں جا کر کرتے تھے۔ پاکستان کے علاوہ فاؤنڈیشن جن ممالک میں کام کر رہی ہے ان میں سے چند نام افغانستان، عراق، چیچنیا، بوسنیا، سوڈان، ایتھوپیا اور قدرتی آفت سماٹرا انڈامان کے زلزلہ (سونامی) سے متاثرہ ممالک کے ہیں۔

16 اگست 2006ء کو بلقیس ایدھی اور کبریٰ ایدھی کی جانب سے ایدھی انٹرنیشنل ایمبولینس فاؤنڈیشن کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ جس کے تحت دنیا کے امیر یا غریب کسی بھی ملک میں یہ ایمبولینس بطور عطیہ دی جائے گی اور انھیں ہدایت کی جائے گی کہ وہ ان ایمبولینس کو 5 سال تک استعمال کرنے کے بعد فروخت کر کے اس کی رقم خیراتی کاموں میں استعمال کریں۔

پاکستان کے علاوہ اسلامی دنیا میں بھی ایدھی نے ایک معزز اور محترم شخص کے طور پر شہرت پائی ہے۔ شہرت اور عزت کے باوجود انھوں نے اپنی سادہ زندگی کو ترک نہیں کیا، وہ سادہ پاکستانی لباس پہنتے تھے، ایدھی کے بیٹے فیصل بتاتے ہیں، جب افغانستان میں ایدھی فاؤنڈیشن کی شاخ کا افتتاح کیا جا رہا تھا تو عملہ نے مہمانوں اور صحافیوں کے بیٹھنے کے لیے کرسیاں خرید لیں۔ جب ایدھی وہاں گئے تو وہ اس

بات پر سخت خفا ہوئے، کیونکہ ان کے خیال میں یہ رقم کسی ضرورت مند کی مدد پر خرچ کی جاسکتی تھی۔ اس رات آپ کلینک کے فرش پر ایمبولینس کے ڈرائیوروں کے ساتھ سوئے۔

ایدھی فاؤنڈیشن کا مستقبل:

آج ایدھی فاؤنڈیشن ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ ایدھی مستقبل میں پاکستان کے ہر 500 کلومیٹر پر ہسپتال تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ ان کو احترام کے طور پر مولانا کا لقب دیا گیا ہے لیکن وہ ذاتی طور پر اس کو پسند نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے کبھی کسی مذہبی سکول میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ وہ اپنے آپ کو ڈاکٹر کہلوانا پسند کرتے تھے، کیونکہ انسانیت کی خدمات پر پاکستان میں انسٹی ٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن (Institute of Business Administration)، کراچی سے ڈاکٹری کی اعزازی سند دی گئی تھی۔ وہ اس بات کو بھی سخت ناپسند کرتے تھے جب لوگ ان کی یا ان کے کام کی تعریف کرتے تھے۔ وہ کسی حکومت یا مذہبی جماعتوں سے امداد نہیں لیتے تھے۔

1996ء میں ان کی خودنوشت سوانح حیات شائع ہوئی۔ 1997ء گینیز بک آف ورلڈ ریکارڈ کے مطابق ایدھی فاؤنڈیشن کی ایمبولینس سروس دنیا کی سب سے بڑی فلاحی ایمبولینس سروس ہے۔ ایدھی بذاتِ خود بغیر چھٹی کیے طویل ترین عرصہ تک کام کرنے کے عالمی ریکارڈ کے حامل ہیں اور ریکارڈ بننے کے بعد بھی انھوں نے چھٹی نہیں لی۔

انھیں بے شمار بین الاقوامی اعزازات سے نوازہ گیا جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

بین الاقوامی اعزازات:

- 1986ء عوامی خدمات میں رومن میگسیسی سے اعزاز (Ramon Magsaysay Award)
- 1988ء لینن امن انعام (Lenin Peace Prize)
- 1992ء پال ہیریس فیلو روٹری انٹرنیشنل فاونڈیشن (Paul Harris Fellow Rotary International Foundation)
- دنیا کی سب سے بڑی رضاکارانہ ایمبولینس سروس۔ گینیز بک ورلڈ ریکارڈز (2000)
- ہمدان اعزاز برائے عمومی طبی خدمات 2000ء متحدہ عرب امارات
- بین الاقوامی بلزان اعزاز 2000ء برائے انسانیت، امن و بھائی چارہ، اطالیہ
- انسٹی ٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن کراچی کی جانب سے اعزازی ڈاکٹریٹ ڈگری (2006)
- یونیسکو مدنجیت سنگھ اعزاز 2009ء
- احمدیہ مسلم امن اعزاز (2010)

قومی اعزازات:

- کالج آف فزیشنز اینڈ سرجنز پاکستان کی طرف سے سلور جوبلی شیلڈ (1962 1987)
- حکومت سندھ کی جانب سے سماجی خدمتگزار برائے برصغیر کا اعزاز (1989)
- نشانِ امتیاز، حکومتِ پاکستان کا ایک اعلیٰ اعزاز (1989)
- حکومتِ پاکستان کے محکمہ صحت اور سماجی بہبود کی جانب سے بہترین خدمات کا اعزاز (1989)

- پاکستان سوک سوسائٹی کی جانب سے پاکستان سوک اعزاز (1992)
- پاک فوج کی جانب سے اعزازی شیلڈ
- پاکستان اکیڈمی آف میڈیکل سائنسز کی جانب سے اعزازِ خدمت
- پاکستانی انسانی حقوق معاشرہ کی طرف سے انسانی حقوق کا اعزاز
- 26 مارچ 2005ء عالمی میمن تنظیم کی جانب سے لائف ٹائم اچیومنٹ اعزاز (Life Time Achievement Award)

وفات:

8 جولائی 2016ء کو عبدالستار ایدھی 88 سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ انھوں نے وفات سے قبل یہ وصیت کی تھی کہ ان کے دونوں آنکھیں ضرورت مندوں کو عطیہ کر دی جائیں۔

مستقبل کے خواب:

ایدھی جہاں موجودہ منصوبوں کو توسیع دینا چاہتے تھے وہاں ان کے کچھ خواب بھی تھے۔ وہ صدقِ دل سے چاہتے تھے کہ کوئی غریب، غریب نہ رہے اور ہر دکھی انسان سکھی ہو جائے۔ وہ چاہتے تھے کہ لاچار لوگوں کے لیے گھر بنائے جائیں، نشہ کرنے والوں کے علاج کے لیے مراکز کا قیام، کمیونٹی سنٹر اور مزید ہسپتال کھولنا ان کے منصوبوں کا حصہ تھا۔ ایک بڑا منصوبہ یہ بھی تھا کہ ایدھی پبلک کچن بنائے جائیں جہاں غریبوں کو مفت کھانا مل سکے۔ وہ پس ماندہ علاقوں خصوصاً بلوچستان اور چولستان میں خدمت کے لیے دیہی مراکز بھی قائم کرنا چاہتے تھے۔

ایدھی صاحب صلہ وستائش سے بے نیاز ہمہ وقت انسانی خدمت میں مصروف رہتے تھے۔ دُنیا بھر میں ان کی خدمات کا اعتراف کیا گیا تھا۔ لوگ انھیں رحمت کا فرشتہ (Angel of Mercy) کہتے تھے۔ ان کا نام گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں درج ہے۔ خدمتِ خلق کے حوالے سے ان کو عظیم انسان قرار دیا گیا ہے۔ معمولی پڑھا لکھا انسان اتنے بڑے کام سرانجام دے رہا تھا کہ شاید کئی ادارے مل کر بھی ایسا کام سرانجام نہ دے سکیں۔ فلپائن نے انھیں سب سے بڑا سول اعزاز دیا تھا۔ روس اور کئی دیگر ممالک نے ان کی خدمات کے صلے میں اُنھیں اعزازات دیے گئے تھے۔ حکومتِ پاکستان نے بھی نشانِ امتیاز دیا۔ 2007ء میں ان کا نام نوبل انعام کے لیے بھی تجویز کیا گیا تھا۔ نوجوان نسل کے لیے ان کا پیغام ہے "انسان بنو، انسان بناؤ اور انسانیت کی خدمت کرو"۔ ایدھی بلاشبہ ایک عظیم انسان تھے۔ ان کی زندگی انسانی خدمت سے عبارت تھی۔ وہ مذہب وملت کے افراد کی خدمت کرنا عبادت قرار دیتے تھے۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) مفصل جواب لکھیے۔

1۔ عبدالستار ایدھی کی سماجی خدمات پر نوٹ لکھیں۔

2۔ ایدھی فاؤنڈیشن کی ابتدا کیسے ہوئی، تفصیلاً بیان کریں۔

3۔ عبدالستار ایدھی کے مستقبل کے کیا خواب تھے؟

4۔ نوٹ لکھیں: (i) ایدھی فاؤنڈیشن کی ترقی (ii) عبدالستار ایدھی کے حالاتِ زندگی

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ عبدالستار ایدھی کی تربیت کا نمایاں پہلو کیا ہے؟

2۔ ایدھی کے ذہن میں سماجی خدمات کا جذبہ پروان چڑھانے میں کس کا کردار زیادہ اہم ہے؟

3۔ ایدھی نے خدمتِ خلق کی ابتدا کیسے کی؟

4۔ ایدھی کو خدمتِ خلق کے میدان میں کیا امتیاز حاصل تھا۔

5۔ فرصت کے اوقات میں ایدھی کیا کرتے تھے؟

6۔ ایدھی نے نوجوان نسل کے لیے کیا پیغام دیا ہے؟

7۔ عبدالستار ایدھی کو ملے چند بین الاقوامی اعزازات کے نام بتائیں۔

(ج) دُرست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ عبدالستار ایدھی کے دل میں خدمتِ خلق کا بیج ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نے بویا۔

(ا) ابتدائی سکول کے اساتذہ (ب) ماں کی محبت اور تربیت

(ج) دردمندوں کے تقاضے (د) ا، ب، ج

2۔ ایدھی کے ذہن کو خدمتِ خلق کے لیے یکسو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نے کیا۔

(ا) ماں کی تربیت (ب) ماں کی معذوری (ج) لوگوں کے دکھوں (د) ا، ب، ج

3۔ ایدھی فاؤنڈیشن خدمات کے سلسلے میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

(ا) ایمبولینس بیڑا (ب) اطلاعاتی نظام (ج) ہسپتال (د) لنگر

4۔ ایدھی کو سب سے بڑا سول اعزاز ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نے دیا۔

(ا) امریکہ (ب) برطانیہ (ج) فلپائن (د) جاپان

5۔ ایدھی کی خدمات سے اندازہ ہوتا کہ یہ سب کچھ ان میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کی وجہ سے تھا۔

(ا) تعلیم (ب) زرومال

(ج) جذبہ خدمتِ خلق (د) دُکھی انسانوں کے لیے دردِ دل

6۔ عبدالستار ایدھی کی یوم وفات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

(ا) 8اپریل (ب) 8 مئی (ج) 8 جون (د) 8 جولائی

6۔ عبدالستار ایدھی کو سب بچے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کہتے تھے۔

(ا) داداجان (ب) ناناجان (ج) چچاجان (د) خالوجان

(د) خالی جگہ پُر کیجیے۔

1۔ عبدالستار ایدھی ایک۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔گھرانے میں پیدا ہوئے۔

2۔ عبدالستار ایدھی کی والدہ کو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہوگیا۔

3۔ ان کے پاس۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سے زائد ایمبولینس پر مشتمل بیڑا ہے۔

4۔ عبدالستار ایدھی نے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں ایک چھوٹی سی دُکان خریدی۔

5۔ لوگ عبدلستار ایدھی کو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کا فرشتہ کہتے تھے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1۔ ایک ڈائری بنائیں جس پر ہر روز درج کریں کہ آج آپ نے دوسروں کی بھلائی اور مدد کے لیے کیا کیا۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ طلبہ کو ایسے افراد کی باتیں بتائیں جس سے ان کے دل میں خدمتِ خلق کا جذبہ پیدا ہوا۔

2۔ طلبہ کے ذریعے عطیات اکٹھے کر کے اپنے علاقے کے ضرورت مند لوگوں کی مدد کریں۔

☆☆☆☆

مشاہیر

مدر ٹریسا: (26 اگست 1910ء - 5 ستمبر 1997ء)

(مدر ٹریسا)

وہ امن اور محبت کی پیام بر تھیں۔ قدرت نے انھیں دردِ دل اور خدمت خلق کے جذبے سے نوازا تھا۔ چناں چہ ان کی ساری عمر ناداروں، مریضوں اور معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے بے سہارا افراد کے لیے وقف رہی۔ خاص طور پر کوڑھی اور جذامی افراد کے لیے، جن کی خدمت کرنا تو ایک طرف، لوگ ان کے قریب جاتے ہوئے بھی ڈرتے تھے۔ وہ ان کے لیے سراپا شفقت رہیں۔ مدر ٹریسا نے ان کے لیے الگ بستی بسائی اور ان کو ہر طرح سے مدد دی۔ ساٹھ سال تک ان لا چاروں اور ناداروں کی خدمت کرنے کے بعد وہ خود بیمار رہنے لگیں۔ انھیں 1979ء میں نوبل انعام سے نوازا گیا، مگر اُن کا اصل انعام لاکھوں انسانوں کا وہ احساسِ تشکر تھا، جس کا اظہار ان کے دنیا سے رخصت ہونے پر غریب لوگوں نے کیا۔ وہ ہندوستان کے نادار افراد کے لیے ہمدردی کا نمونہ تھیں اور ان کا نام ہی ہمدردی، شفقت اور مدد کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

مدر ٹریسا 26 اگست 1910ء کو مقدونیہ کے شہر سکوپجی میں پیدا ہوئیں۔ یہ شہر ان دنوں سلطنتِ عثمانی کا حصّہ تھا۔ بعد میں یہ یوگوسلاویہ کے صوبے مقدونیہ کا صدر مقام بھی رہا۔ ان کے خاندان کا تعلق البانیہ سے تھا اور ان کے والد پنساری تھے۔ یہ خاندان 1928ء میں آئر لینڈ جا بسا۔ مدر ٹریسا نے وہیں ورجن میری انسٹی ٹیوٹ میں مذہبیات اور نرسنگ کی تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے بارہ سال کی عمر میں راہبہ بننے کا فیصلہ کر لیا۔ جب ان کی عمر 18 سال ہوئی تو وہ لیڈی لورٹیو کی راہبات کے نظام میں شامل ہو گئیں۔ انھوں نے 24 مئی 1931ء کو راہبہ کا حلف اٹھایا۔ وہ 1931ء سے 1946ء تک سینٹ میری ہائی سکول کولکتہ میں تدریسی فرائض سر انجام دیتی رہیں۔

مدر ٹریسا جن دنوں کولکتہ میں شعبہ تعلیم سے وابستہ تھیں، تو انھیں ایسے لگا جیسے ان کے اندر سے آواز آ رہی ہے کہ ”سکول کو چھوڑو، غریبوں میں رہو اور ان کی خدمت کرو، وہ گلیوں میں مر رہے ہیں“۔ انھوں نے دل کی آواز پر لبیک کہا۔ راہبہ ہونے کے ناتے انھیں اپنے نظام سے اجازت لینا تھی۔ چنانچہ 1948 میں انھیں پوپ کی طرف سے ایک خود مختار راہبہ کی حیثیت سے کام کرنے کی اجازت مل گئی۔ اسی

سال انھوں نے ''مشنری آف چیریٹی'' کے نام سے ادارہ قائم کرلیا۔ ابھی ان کے پاس مالی وسائل نہیں تھے اس لیے کھلے آسمان تلے انھوں نے غریب بچوں کو تعلیم دینا شروع کردی۔

شہر کی تاریک گلیوں میں اتر کر اور غریبوں میں رہ کر انھوں نے مشنری جذبے سے کام کیا۔ بلدیہ کولکتہ کے کارپردازان نے انھیں ایک ہوسٹل دے دیا۔ مالی وسائل بھی حاصل ہونے لگے اور کچھ مخلص کارکن بھی میسر آ گئے۔ انھیں ہندوستان کی شہریت بھی دی گئی تھی۔ پوپ کی اجازت سے انھوں نے ایک محتاج خانہ بھی قائم کرلیا۔ یہاں ایسے لوگوں کی دیکھ بھال کی جاتی جن کا دنیا میں دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ تھا۔

مدر ٹریسا نے غریبوں اور بے سہارا انسانوں کو جینے کا سلیقہ اور حوصلہ دیا۔ انھوں نے اندھوں کی مدد کے لیے سنٹر کھولے، بوڑھوں کے لیے الگ مراکز قائم کیے۔ معذوروں اور دیگر مریضوں کے علاج اور فوری مدد کے لیے ڈسپنسریاں اور ہسپتال بنوائے۔ 1970ء میں کولکتہ میں ساٹھ مراکز قائم تھے اور ایک ہزار راہبات ان میں کام کر رہی تھیں۔ بعد میں ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں کی تعداد بڑھ کر 54 اور 213 ہوگئی۔ مدر ٹریسا نے ایک اور منفرد کام کیا کہ جذامیوں کے لیے الگ سے شانتی نگر بستی قائم کردی۔ یتیم خانے اس کے علاوہ تھے جو مادر مہربان کی نگرانی میں سرگرم تھے۔

ہندوستان میں ان کے کام کو استحکام ملا تو انھوں نے اپنے رفاہی کام کا دائرہ دوسرے ممالک تک وسیع کردیا۔ پوپ کی اجازت سے مشنریز آف چیریٹی کے حوالے سے وہ بین الاقوامی مذہبی خاندان کا حصہ بن گئیں۔ اب یہ کام بڑھتا گیا، اور ان کی تنظیم ایک بین الاقوامی تنظیم بن گئی۔ 1979ء میں اس کی شاخیں مشرقی یورپ، افریقہ، لاطینی امریکہ اور ایشیا کے بہت سے ممالک میں قائم ہوگئیں اور قدرتی آفات، وبائی امراض، ایڈز کے مریضوں اور شرابیوں کی مدد اور علاج کے لیے وہ سرگرم عمل رہیں۔ 1990ء میں دنیا کے چالیس ممالک میں نوّے لاکھ افراد مدر ٹریسا کے قائم کردہ اداروں میں کام کر رہے تھے۔ اب وہ خود بیمار رہنے لگیں، اس لیے اپنے مشن سے مستعفی ہوگئیں اور وہ 5 ستمبر 1997ء کو اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔

مدر ٹریسا نے مفلس اور بے سہارا لوگوں کے لیے مختلف اقسام کی خدمات سرانجام دیں۔ دنیا بھر میں ان کو سراہا گیا۔ انھیں 1979ء میں سماجی خدمات کا ''نوبل انعام'' دیا گیا۔ حکومتِ ہند نے اُنھیں سول اعزاز پدم شری اور نہرو ایوارڈ دیا۔ پوپ پال نے امن انعام اور فلپائن نے انھیں سب سے بڑے سماجی اعزاز سے نوازا۔ انھیں اس کے علاوہ بھی بہت سے ملکوں نے اعزازات عطا کیے۔ ان کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ بہت بڑی تعداد میں غریبوں، بیماروں اور دکھی انسانوں نے اُنھیں گہرے دکھ اور احساس تشکر کے آنسوؤں سے لبریز آنکھوں کے ساتھ روانہ کیا۔ ان کا نعرہ تھا ''غریبوں کو معلوم ہو کہ ہم ان سے محبت کرتے ہیں'' اور ''غربت کا خاتمہ باہمی اشتراک سے ہی ممکن ہے''۔

مدر ٹریسا مسیحی راہبہ تھیں۔ انھوں نے پوپ سے اجازت لے کر سماجی اور فلاح و بہبود کے کام کیے۔ مسیحی مذہب میں عوامی خدمات عموماً مرد انجام دیتے ہیں جبکہ مدر ٹریسا نے خاتون ہوتے ہوئے بے سہارا انسانوں کو مضبوط سہارا فراہم کیا۔ ان کی انسانی خدمت کی لگن اور جذبے سے متاثر ہو کر پوپ نے بھی اُنھیں عوامی فلاح و بہبود کے کام کرنے کی اجازت دی۔ ان سب باتوں سے سبق ملتا ہے کہ انسانوں کی خدمت ایک عظیم کام ہے جس کا صلہ خدائے بزرگ و برتر سے ملتا ہے اور جس سے انسانیت کا بھلا ہوتا ہے۔

مشق

(الف) مفصل جواب لکھیں۔

1۔ مدر ٹریسا کی خدمات کا احاطہ کیجیے۔

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ مدر ٹریسا کہاں پیدا ہوئیں؟

2۔ کولکتہ میں وہ کس سکول سے وابستہ رہیں؟

3۔ مدر ٹریسا نے کوڑھی اور جُذامیوں کے لیے کیا خاص خدمت سرانجام دیں؟

4۔ اپنا الگ نظام قائم کرنے کے لیے انھیں کسی سے اجازت لینا پڑی؟

5۔ مدر ٹریسا کے قائم کردہ ادارے کا نام کیا تھا؟

(ج) دُرست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ مدر ٹریسا نے ایک بستی شانتی نگر ــــــــــــــــــــــــ کے لیے بسائی۔

(ا) یتیموں (ب) اندھوں (ج) جذامیوں (د) معذوروں

2۔ مدر ٹریسا نے ہندوستان آ کر کس مقام پر مشن میں شامل ہوئیں؟

(ا) شملہ (ب) دارجلنگ (ج) مسوری (د) کولکتہ

3۔ مدر ٹریسا نے ہندوستان میں راہبہ کا حلف اٹھایا۔

(ا) 1928ء (ب) 1931ء (ج) 1934ء (د) 1936ء

4۔ مدر ٹریسا کو نوبل انعام ــــــــــــــــــــــــ میں ملا۔

(ا) 1979ء (ب) 1989ء (ج) 1999ء (د) 2006ء

5۔ 1990ء میں ان کا کام ــــــــــــــــــــــــ ممالک میں پھیل چکا تھا۔

(ا) 40 (ب) 45 (ج) 50 (د) 60

(د) صحیح جملے کے سامنے ''ص'' اور غلط کے سامنے ''غ'' لکھیں۔

1۔ مدر ٹریسا نے اٹلی میں تربیت کے بعد ہندوستان چلی آئیں۔

2۔ مدر ٹریسا نے دل کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے تدریس کا شعبہ چھوڑ دیا۔

3۔ 1990ء میں ان کے مشن سے وابستہ افراد کی تعداد 90 ہزار تھی۔

4۔ غریب لوگوں کا اظہارِ تشکر ان کے لیے نوبل انعام سے بڑا اعزاز تھا۔

5۔ 1948ء میں پوپ نے انھیں خود مختار راہبہ کی حیثیت سے کام کرنے کی اجازت دے دی۔

(و) **طلبہ کے لیے سرگرمیاں:**

1۔ آپ کو مدر ٹریسا کی کون سی بات اچھی لگی؟ ہر ایک طالب علم نوٹ کرے، پھر سب طلبہ کی پسند کی فہرست بنائیں اور ان اچھی باتوں کو ترتیب دے کر ایک چارٹ بنائیں۔

2۔ ہر طالب علم خدمتِ خلق کی اہمیت پر ایک صفحہ کا نوٹ لکھے۔

(ہ) **اساتذہ کے لیے ہدایات:**

1۔ طلبہ کو بتایا جائے کہ خدمتِ خلق کا مذہب سے گہرا تعلق ہے۔

2۔ طلبہ سے اپنے شہر کے کسی ایسے معروف کارکن کے حالات دریافت کریں جو خدمتِ خلق میں پیش پیش رہتا ہو۔

☆☆☆☆

مشاہیر

جمشید نسروان جی مہتا: (7 جنوری 1886ء - 8 اگست، 1952ء)

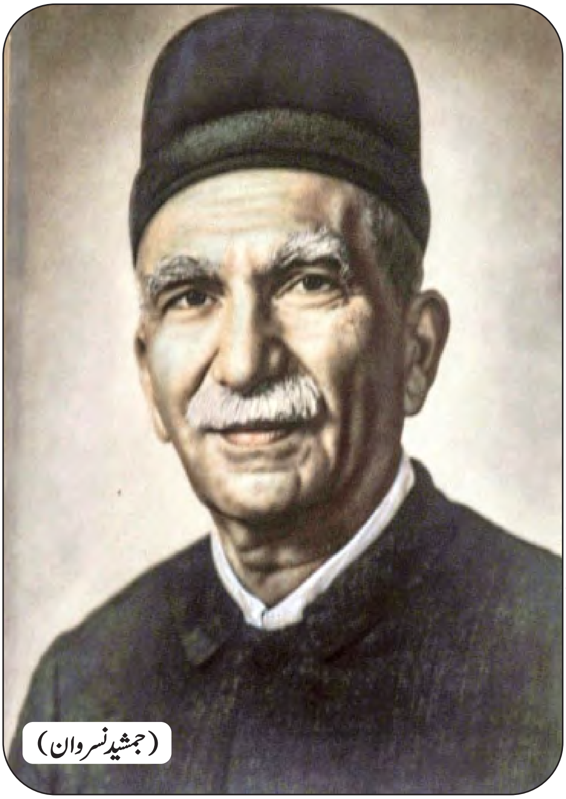
(جمشید نسروان)

جمشید نسروان جی مہتا جنھیں بابائے کراچی بھی کہا جاتا ہے۔ 7 جنوری 1886ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ وہ پارسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ یہ خاندان کراچی کا ایک کھاتا پیتا گھرانا تھا، جہاں دولت کی ریل پیل تھی۔ ان کا بچپن خوشگوار رہا۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم پارسی ربادی سکول اور این جے وی سکول کراچی سے حاصل کی اور پھر 1900ء میں مزید تعلیم کے لیے ڈی جے کالج کراچی میں داخل ہوئے۔ وہ 1914ء میں کراچی میونسپلٹی کے رکن بنے اور 1933ء تک اس کے رکن رہے۔ اس دوران 1922ء سے 1933ء تک گیارہ سال تک مسلسل کراچی میونسپل کمیٹی کے صدر اور پھر کراچی میونسپل کارپوریشن کے 1933ء سے 1934ء پہلے میئر منتخب ہوئے۔ اُنھوں نے تعلیم کراچی ہی میں حاصل کی اور پھر والد صاحب کے ساتھ کاروبار میں ہاتھ بٹانے لگے۔ محنت ان کی عادت اور دیانت داری ان کا شیوہ تھی۔ جلد ہی کاروباری حلقوں میں ان کی ساکھ قائم ہوگئی۔ جہاں ایک طرف تجارت میں ان کے نام کا سکّہ چلتا، وہاں عوامی حلقوں میں ان کی شہرت ایک غریب پرور اور بے لوث سماجی کارکن کے طور پر پھیل رہی تھی۔

کاروبار کے ساتھ ساتھ انھوں نے سیاست میں بھی دلچسپی لینا شروع کی۔ اس زمانے میں سیاست کا رنگ آج کے دَور سے بالکل مختلف تھا۔ لوگوں کے مجبور کرنے پر وہ اس خاردار میدان میں اترے اور 1918ء میں پہلی دفعہ بلدیہ کے کونسلر منتخب ہوئے۔ اگلی کئی دہائیوں تک وہ مقامی سیاست کے اُفق پر چھائے رہے اور شاید ہی کوئی دن ایسا ہو، جب ان کا نام یا تصویر اخباروں کی زینت نہ بنی ہو۔ وہ بارہ سال تک مسلسل بلدیہ کے صدر رہے۔ انھوں نے اپنی میئر شپ کے زمانے میں کراچی کی توسیع کے متعدد منصوبے بنائے۔ کھلی سڑکیں، باغات اور کھیل کے میدان تعمیر کروائے۔ 1919ء میں جب انفلوئنزا کی بیماری نے کراچی میں وبا کی شکل اختیار کی تو انھوں نے دن رات عوام کی خدمت کی جس کے نتیجے میں وہ عوام میں بے حد مقبول ہوئے۔ وہ 1922ء میں کراچی میونسپلٹی کے صدر منتخب ہوئے اور اکتوبر 1932ء تک اس عہدے پر کام کرتے رہے۔

انسانیت کے لیے مثال:

کراچی کے باسیوں سے ان کی محبت کی دلیل یہ ہے کہ وہ ایک طویل عرصے تک کراچی میونسپلٹی کے صدر رہے۔ کراچی شہر میں بسنے والے لوگوں کے لیے ان کی خدمات کا کوئی شمار نہیں۔ وہ نہ صرف انسانوں سے پیار کرتے تھے بلکہ کسی جانور کو بھی دکھ یا تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے تھے۔

ایک دفعہ وہ گاڑی میں جا رہے تھے جب ایک گدھے کو زخمی سڑک پر گرے ہوئے دیکھا آپ گاڑی سے اترے اور پیدل گدھے کو لے کر جانوروں کے ہسپتال گئے۔ ان کی موٹر کار ڈرائیور اُن کے پیچھے چلاتا آ رہا تھا۔ جمشید نے اپنے سامنے گدھے کی مرہم پٹی کرائی۔ ڈاکٹر کو بار بار کہتے رہے کہ زخم کو آہستہ صاف کریں تا کہ بے زبان کو ایذا نہ پہنچے۔ مرہم پٹی ختم ہوئی تو ڈاکٹر کو ہدایت کی کہ گدھے کو ان کے ذاتی خرچ پر ہسپتال میں رکھا جائے۔ چارے کے لیے کچھ رقم بھی ہسپتال میں جمع کرا دی۔ دوسری طرف گدھے کے مالک کو ہدایت کی کہ جب تک گدھا پوری طرح صحت یاب نہ ہو جائے اور گاڑی میں جوتنے کے قابل نہ ہو جائے۔ اُس وقت تک وہ اپنی مزدوری کا حساب ان سے لیا کرے۔ یہ کہتے ہی کچھ نوٹ پیشگی ہی اسے دے دیے۔ جمشید مہتا کے دور میں شہر میں جانوروں کے تحفظ کے لیے با قاعدہ انتظام کیا۔ کیا لوگ تھے جو کراچی شہر میں بیمار یا زخمی جانوروں کا بھی خیال رکھتے تھے۔

جمشید نسروان جی مہتا کی خدمات:

آج کراچی کا شمار دُنیا کے چند بڑے شہروں میں ہوتا ہے۔ اُس کی آبادی کئی ملکوں کی آبادی سے زیادہ ہے اور اقتصادی طور پر اسے پاکستان کا دل کہا جاتا ہے۔ انھوں نے کراچی کو ایک جدید شہر بنا دیا۔ ان کے دَور میں کراچی کی کشادہ سڑکیں ہر رات کو دھوئی جاتی تھیں۔ انھوں نے شہر میں خوب صورت پارک اور شجر ہائے سایہ دار لگوائے تھے۔ سکول، ہسپتال، لائبریریاں قائم ہوئیں حتیٰ کہ جانوروں کی خدمت کے مراکز بھی قائم کیے۔ کراچی کو اعلیٰ بلدیہ (Metropoliton Corporation) کا درجہ انھیں کے عہد میں دیا گیا اور وہ 1933ء تا 1934ء پہلے رئیس بلدیہ بھی رہے۔

اپنی منفرد شخصیت اور خدمات کی وجہ سے سندھ بھر میں انھیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ وہ ہر سیاسی، سماجی اور مذہبی تحریک میں پیش پیش رہتے۔ ہر تحریک میں ان کا نام کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا۔ وہ "مقامی حکومت" (Home Role) تحریک میں نمایاں کردار ادا چکے تھے۔ انھیں ہند کے بڑے رہنماؤں کے ساتھ بھی کام کرنے کا موقع ملا تھا۔ انھوں نے 1930ء میں ہاری کمیٹی کے قیام میں بھر پور حصہ لیا اور اُنھیں مزدوروں کی انجمنیں بنانے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ ضلع دادو کے لوگوں نے 1937ء میں ان کو سندھ اسمبلی کے لیے نمائندہ چنا۔ چنانچہ وہ جہاں بھی جاتے ہزاروں لوگ اُنھیں دیکھنے کو امڈ آتے۔ لوگ ان کی شکل سے کم اور کام اور نام سے زیادہ واقف تھے۔ اُنھوں نے اپنے چاروں مخالف امیدواروں کے مجموعی ووٹوں سے بھی زیادہ ووٹ حاصل کیے اور وہ صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے۔ لیکن دو سال کے بعد ذاتی وجوہات کی وجہ سے وہ اسمبلی سے مستعفی ہو گئے۔

جمشید نسروان جی مہتا ایک با اُصول انسان تھے۔ انھوں نے اصولوں پر کبھی سمجھوتا نہ کیا۔ جب اُنھیں احساس ہوا کہ شراب اور سپرٹ انسان کے لیے ہر طرح سے ضرر رساں ہیں، تو انھوں نے لوگوں کو نشہ آور اشیا کا استعمال ترک کرنے اور اُن سے دُور رہنے کی تلقین

کی۔ یہ ان کے خاندانی کاروبار کا ایک حصہ بھی تھا لیکن اُنھوں نے اِسے فوراً بند کر دیا۔ چناں چہ ایجنسیاں بند ہونے لگیں اور مالی طور پر اُنھیں کافی نقصان ہوا۔ جمشید نسروان جی مہتا نے باپ کے اس کاروبار سے منافع لینا بھی بند کر دیا۔ ان کے والد پر کاروباری حلقوں کی طرف سے دباؤ بڑھا کہ بیٹے کو سمجھائیں مگر صرف منافع کے لیے ان کے والد نے بیٹے کے اصول اور ضمیر کی آواز پر آنچ نہ آنے دی اور سارا نقصان بخوشی برداشت کر لیا۔

یہ ان کے کردار کی عظمت ہی تھی کہ عوام نے ہمیشہ ان پر اعتماد کیا۔ ایک دفعہ سنٹرل بینک آف انڈیا کے بارے میں افواہ پھیل گئی کہ بنک دیوالیہ ہو رہا ہے۔ لوگوں نے دھڑا دھڑ رقوم نکلوانا شروع کر دیں۔ وہ بینک میں گئے، صورتِ حال معلوم کی، باہر آ کر انھوں نے کرسی پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ بینک کی مالی حالت مضبوط ہے۔ میں آپ لوگوں کی رقوم کی ضمانت دیتا ہوں۔ اتنا سُننا تھا کہ قطاروں میں کھڑے لوگ مطمئن ہو کر اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ گئے۔ انھوں نے سیاست میں کبھی بھی غلط وعدہ نہیں کیا تھا اس لیے ان پر لوگ بے انتہا اعتماد کرتے تھے۔

ایک انگریز خاتون مسز این بسنٹ نے برصغیر کی تحریکِ آزادی میں حصہ لیا، گرفتار بھی ہوئیں۔ مقامی حکومت کی تحریک میں بھی سرگرم رہیں۔ وہ بلا کی مقررہ تھیں۔ وہ تھیوسوفیکل سوسائٹی کی صدر بھی تھیں۔ جمشید نسروان جی مہتا ان کی ایک تقریر سن کر بے پناہ متاثر ہوئے۔ وہ تھوسوفیکل سوسائٹی کے رکن بن گئے۔ یہ سوسائٹی غریب بچوں کی تعلیم کا بندوبست کرتی تھی۔ ان دنوں دو ہزار (2000) طلبہ کی تعلیم کا ذمہ سوسائٹی نے اپنے سر لے رکھا تھا۔ جمشید نسروان جی مہتا نے اس دَور میں ساٹھ (60) لاکھ روپے کا عطیہ دیا۔ اس کے علاوہ وہ ہریجنوں، جذامیوں اور جانوروں کی دیکھ بھال کے لیے بھی دل کھول کر چندہ دیا کرتے تھے۔ مہتا جی نے کراچی میں تھیوسوفیکل سوسائٹی کی شاخ قائم کی اور یہ سوسائٹی آج بھی کراچی میں سرگرمِ عمل ہے۔

جمشید نسروان جی مہتا 1922ء میں پہلی بار بلدیہ کراچی کے صدر منتخب ہوئے، اس وقت اس کا شمار پس ماندہ شہروں میں ہوتا تھا۔ سہولتیں عنقا تھیں پورے کراچی میں محض دو (2) عوامی پارک تھے۔ فٹ پاتھ تھی نہ پینے کے صاف پانی کی فراہمی کا بندوبست تھا، نہ میٹرنٹی ہوم تھا نہ کوئی لائبریری، کوئی بہتر سڑک بھی پورے شہر میں نہ تھی۔ بلدیہ کراچی کا صدر بنتے ہی جمشید نسروان جی مہتا نے شہر کی ترقی اور شہریوں کی خدمت کا بیڑا اُٹھایا اور عملی بنیادوں پر اقدامات کا آغاز کیا۔ بہترین اور معیاری سڑکیں بنوائیں، لائبریریاں قائم کیں، درجن کے قریب عوامی پارک بنوائے، فٹ پاتھ قائم کیں، پینے کے صاف پانی کی فراہمی کی خاطر واٹر سپلائی کے منصوبے کا قیام عمل میں لائے۔ بچوں کے لیے علٰیحدہ سے پارک اور بڑوں کے واسطے ورزش کے لیے بھی ایک پارک تعمیر کیا۔ شہرِ قائد کے قدیم علاقے لیاری میں دس (10) سکول قائم کیے اور مفت تعلیم کا آغاز کیا۔ انھوں نے شہر کے تمام علاقوں میں میٹرنٹی ہوم قائم کیے۔ انھوں نے ایک منصوبہ تیار کیا تھا کہ شہر کے مختلف حصوں میں زچہ و بچّہ کے مراکز قائم کیے جائیں۔ اس معاملے میں پہل انھوں نے خود کی اور اپنی والدہ گل بائی کے نام سے صدر میں جہانگیر پارک کے قریب ایک میٹرنٹی ہوم قائم کیا۔ اس کے علاوہ دیگر افراد سے چندہ لے کر میٹرنٹی ہوم بنوائے۔

جمشید نسروان جی مہتا نے کراچی میونسپلٹی کی صدارت سنبھالی تو اُس وقت کراچی کی سڑکیں پکی نہیں ہوتی تھیں۔ اُن کے دور میں ان سڑکوں کی لمبائی چودہ میل تھی لیکن جب جمشید نے اپنا عہدہ چھوڑا تو اُس وقت کراچی میں چھہتر (76) میل لمبی پکی سڑکیں موجود تھیں۔ ان سڑکوں پر تارکول کی تہہ بچھائی گئی تھی جس کے سبب یہ سڑکیں چمکتی ہوئی نظر آتی تھیں۔

ماما پارسی سکول، این جے وی، میٹروپول ہوٹل، سوبھراج ہسپتال، میونسپل میوزیم، میونسپل کارپوریشن بلڈنگ، کم آمدن والے ملازمین کے لیے مکانات تعمیر کیے، جن کو بعد میں ان کی یادگار کے طور پر جمشید کوارٹرز کا نام دیا گیا۔ صفائی ستھرائی کا بہترین نظام قائم کیا۔ اُن کی شب و روز محنتوں کے طفیل اُس دور میں کراچی کو برصغیر کا سب سے خوب صورت شہر قرار دیا گیا تھا۔

جمشید نسروان جی مہتا شب و روز محنت کے عادی تھے، اُنھیں بہت کم آرام کا موقع میسر آتا۔ اُنھیں علم و ادب سے خاص شغف تھا، مطالعے کے شوقین تھے، اخبارات اور رسائل کے لیے لکھتے بھی تھے اور کراچی کے شہری نظام کے متعلق "کراچی میونسپلٹی" کے نام سے ایک کتاب بھی تصنیف کی تھی۔ سندھ میں اُنھیں بابائے اسکاؤٹنگ بھی گردانا جاتا ہے۔ وہ پہلے غیر منقسم ہندوستان بعدازاں پاکستان میں "بوائے اسکاؤٹ موومنٹ" کے بانیان میں سے ایک تھے۔ اُنھوں نے زندگی بھر شادی نہ کی۔ اس عظیم شخصیت کے کراچی کے لیے احسانات ناقابلِ فراموش ہیں۔ پاکستان پوسٹ آفس نے ان کی 102 ویں سالگرہ کے موقع پر 7 جنوری 1988ء کو ان کے اعزاز میں ایک یادگاری ڈاک ٹکٹ جاری کیے۔ کراچی کی بستی جمشید کوارٹر، ایک سڑک جمشید روڈ اور ایم اے جناح روڈ پر واقع جمشید میموریل ہال انہی سے منسوب ہیں۔

وفات:

جمشید نسروان جی مہتا 8 اگست، 1952ء کو کراچی میں وفات پا گئے۔ ان کی وفات پر محکمہ ڈاک پاکستان نے یادگاری ٹکٹ جاری کیا۔ کراچی میں جناح روڈ پر ان کے نام سے ایک بڑا ہال تعمیر کیا گیا۔ فلاسوفیکل سوسائٹی ہر سال ان کی برسی کے موقع پر اجلاس منعقد کر کے اُنھیں خراجِ تحسین پیش کرتی ہے۔ جب تک کراچی شہر قائم رہے گا، جمشید جی کا نام بھی زندہ رہے گا۔

جمشید جی بچپن ہی سے دوسروں کے دُکھ دَرد کا خیال رکھتے تھے۔ اگرچہ وہ کروڑ پتی تھے لیکن وہ سادہ زندگی بسر کرتے اور اپنی آمدنی کا بڑا حصہ غریبوں، بیواؤں اور یتیم بچوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ وہ گاہے بگاہے ہسپتالوں اور بعض اوقات مریضوں کے گھروں میں عیادت کے لیے جاتے تھے۔ انھیں دیکھ کر مریضوں کے چہرے کھل اُٹھتے۔ وہ خود بھی دکھی لوگوں سے مل کر خوش ہوتے تھے۔ بیماروں کی عیادت کرنے جاتے تو اپنے مخلص کارکنوں کو ساتھ لے جاتے، تا کہ ان کی بھی تربیت ہو جائے۔

انھیں دنیا سے رخصت ہوئے تقریباً ستر برس بیت چکے ہیں، لیکن اہل کراچی کے ذہنوں میں ان کی یادیں آج بھی تازہ ہیں۔ کیونکہ وہ جدید کراچی کے بانی تھے اور دُنیا انھیں کراچی کا بے تاج بادشاہ کہتی تھی۔ وہ اپنے کردار، اخلاق اور بے لوث خدمت کے طفیل لاکھوں لوگوں کے دلوں کی دھڑکن تھے۔ ارب پتی باپ کا یہ تاجر بیٹا فقیری میں زندگی بسر کرتا رہا لیکن اس دریا دل انسان نے عوامی خدمت کے کئی ریکارڈ قائم کیے۔ کراچی کی تاریخ اُن کے ذکر کے بغیر نامکمل ہے۔

انسانیت کی خدمت کا جذبہ اُن میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ وہ ساری زندگی لاچاروں، بے کسوں، غریبوں کی خدمت میں مصروفِ عمل رہے۔ کراچی کی تعمیر و ترقی میں ان کا کلیدی کردار رہا۔ جمشید نسروان جی مہتا کی خدمات کے سبب ان کا نام شہرِ قائد کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔ انسانیت کی خدمت ان کا مطمع نظر تھا اور تا دمِ آخر اس مشن میں مصروف عمل رہے۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ جمشید نسروان جی مہتا کے کردار کا جائزہ لیجیے۔

2۔ ''جمشید جی کی زندگی عوامی خدمت کی عمدہ مثال ہے'' تبصرہ کیجیے۔

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ جمشید نسروان جی مہتا کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

2۔ جمشید نسروان جی مہتا کتنا عرصہ کراچی بلدیہ کے صدر رہے؟

3۔ جمشید نسروان جی مہتا کی کون سی خوبیاں کاروباری ساکھ کا سبب بنیں؟

4۔ جمشید نسروان جی مہتا کس سوسائٹی کے ممبر بنے؟

5۔ جمشید نسروان جی مہتا کس شخصیت سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے؟

6۔ بنک میں جمشید نسروان جی مہتا کی تقریر کیوں مؤثر ثابت ہوئی؟

7۔ جمشید نسروان جی مہتا نے کس چیز کو ختم کرنے کے لیے اپنے کاروبار کا نقصان کیا؟

8۔ جمشید نسروان جی مہتا نے زخمی گدھے کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

(ج) دُرست جواب کی نشان دہی کیجیے۔

1۔ جمشید نسروان جی مہتا نے نشہ ترک کر دیا کیوں کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تھی/تھا۔

(الف) یہ ایک خلاف قانون سرگرمی　　(ب) اسے سماجی طور پر بُرا سمجھا جاتا

(ج) یہ صحت کے لیے نقصان دہ　　(د) مہنگائی بڑھ گئی

2۔ جمشید نسروان جی مہتا مسز بسنٹ سے بہت متاثر تھے کیوں کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تھیں۔

(الف) وہ بہت پارسا　　(ب) بڑی عمدہ مقررہ

(ج) ہوم رول تحریک چلا رہی　　(د) اچھی اور منجھی ہوئی سیاست دان

3۔ تھیوسائیکل سوسائٹی کا زیادہ زور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تھا۔

(الف) بچوں کی تعلیم پر　　(ب) غریبوں کو کھانا کھلانے پر

(ج) مریضوں کی دیکھ بھال پر　　(د) یتیموں کی پرورش پر

4۔ جمشید نسروان جی مہتا نے اسمبلی کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا کیوں کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔گئی/ تھے۔

(الف) ان کی دیگر مصروفیات بڑھ گئی (ب) سازشوں کی وجہ سے وہ کام نہیں کر پا رہے

(ج) لوگوں کا اعتماد کھو بیٹھے (د) انھیں سیاست سے نفرت ہو گئی

5۔ جمشید نسروان جی مہتا ایک مقبول رہنما تھے کیوں کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تھے۔

(الف) غریب پرور اور بے لوث سیاسی کارکن (ب) کردار کے کھرے

(ج) لوگوں کے دلوں میں اترنے کا فن جانتے (د) تھیوسافیکل سوسائٹی کے رکن

(د) صحیح جملے کے سامنے ''ص'' اور غلط کے سامنے ''غ'' لکھیں۔

1۔ جمشید نسروان جی مہتا کا تعلق ایک مسیح گھرانے سے تھا۔

2۔ 1918ء میں جمشید نسروان جی مہتا بلدیہ کے میئر منتخب ہوئے۔

3۔ جمشید نسروان جی مہتا بارہ سال بلدیہ کے صدر رہے۔

4۔ جمشید نسروان جی مہتا بوائے سکاؤٹ تحریک کے بانی رکن تھے۔

5۔ جمشید نسروان جی مہتا عموماً بیماروں کی تیمارداری کے لیے ہسپتال جایا کرتے تھے۔

6۔ جمشید نسروان جی مہتا کو پرانے کراچی کا بانی کہتے ہیں۔

7۔ کراچی میں جمشید نسروان جی مہتا کے نام پر ایک بڑا ہال تعمیر کیا گیا۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1۔ جمشید نسروان جی مہتا جیسی اور پاکستانی شخصیات کے بارے میں معلومات اکٹھی کریں اور کلاس میں بحث کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ ''رفاہِ عامہ اور ہمارے فرائض'' پر مضمون نویسی کا ایک مقابلہ کرائیں اور اوّل دوم آنے والوں کی حوصلہ افزائی کریں۔

2۔ مذاہب کا خدمتِ خلق میں کردار اس موضوع پر سوال و جواب کی ایک نشست رکھیں اور اہم نکات نوٹ کر کے کمرا جماعت کی زینت بنائیں۔

☆☆☆☆

فرہنگ

مذاہب کا تعارف

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
معدوم	کسی چیز کا ختم ہونا	جبلت	فطرت	مافی الضمیر	نیّت، ارادہ
تجسس	حیرانی	منطقی ربط	عملی دلائل میں تعلق	عدیم التغیر	نایاب تبدیلی
تگ ودو	کوشش کرنا	فکری مغالطے	سوچنے میں غلطی کرنا	فلکیات	فلک کی جمع آسمان
لائحہ عمل	طریقہ کار	کنارہ کش ہونا	علیٰحدگی اختیار کرنا	نسلیات کا ماہر	ایسے ماہرین جو انسانی نسلوں کے بارے میں علم رکھتے ہیں۔
الٰہیات	ایسا علم جس میں خدا کے وجود اور ذات وصفات سے بحث کی جاتی ہے۔	اعصابی امراض	ذہنی مرض	علم البشر	انسان کے بارے میں علم کی شاخ

مذہب پر معاشرے کے اثرات

تفہیم	فہمائش، سمجھنا، سوجھ بوجھ حاصل ہونا	حصول	حاصل ہونا	وصالِ الٰہی	وحدت میں فنا ہونا، خدا تعالیٰ سے ملنا
سماجیات	معاشرے یا سماج کا علم	دُوررس	دیر پا، زیادہ دیر تک	متعین	مقرّر
باطنی	ظاہری کی ضد، داخلی اور اندرونی	لچک پذیری	نرمی، جھکاؤ	ماورائی	نظر نہ آنے والی بالا قوتیں
نسلیات	انسانی نسلوں کے بارے میں علم	اِرتقا	ترقی، بتدریج بڑھنا، بالیدگی	ضخیم	بہت بڑا، موٹا
آفاقی	عالمگیر، پوری دنیا سے تعلق رکھنے والا	گردشِ زمانہ	لاگو کرنا	ذرائع ابلاغ	آمدورفت کے ذریعے
مظاہر فطرت	فطرت کا اظہار، مختلف قسم کے قدرتی مناظر	ہیبت	خوف، رُعب	پروٹسٹنٹ	ایک مسیحی فرقہ
ترسیل	پہنچانا	مسخ ہونا	اچھی صورت کا بُری صورت ہونا	مذہبی اوہام	مذہبی وہمات

اسلام

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
متصف	موصوف	ہیبت	رعب و دبدبا	لعابِ دہن	زبان کا پانی
جبلِ نور	مکّہ مکرمہ کے ایک پہاڑ کا نام	صلہِ رحمی	رحم کرنا	صحابی	حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کا ساتھی
ثابت قدمی	ڈٹے رہنا	محصوری	پھنس جانا	مقاطعہ	معاشرتی بائیکاٹ
عام الحزن	غم کا سال	مسجدِ اقصیٰ	ایک مسجد جو یروشلم میں ہے	مسجدالحرام	مکّہ مکرمہ کی مسجد جہاں خانہ کعبہ ہے
براق	آسمانی سواری جو بجلی سے زیادہ تیز ہو	حضرت جبریل علیہ السلام	فرشتہ کا نام	سُرخ اُونٹ	اونٹوں کی ایک نسل جو بہت نایاب ہے
تعصب	نفرت	مواخات	بھائی چارہ	اجتماعی امور	اکٹھے کام کرنا
قیام وطعام	کھانا پینا	نفع رسانی	فائدہ پہنچانا	خیرخوائی کرنا	مدد کرنا
عفوودرگزر	معاف کرنا	تحویل قبلہ	قبلہ کو بدلنا	بیت المقدس	قبلہ اوّل (یروشلم)
حرمت	عزت	بازپرس کرنا	جواب طلب کرنا	مرقع	منظرنگاری
تقویٰ	پرہیزگاری	نفسوں کی برائی		شقی	ظالم، بے رحم
پنجگانہ	پانچ وقت	شکم سیر	پیٹ کا بھرنا	تلقین کرنا	نصیحت کرنا
حُسنِ بندگی	فرماں برداری، اطاعت	فرضِ کفایہ	ایسا عمل جو ایک شخص بھی ادا کرے تو سب کی طرف سے ہو جاتا ہے	مسنون	نسبت کا طریقہ
حالتِ نزع	مرنے کے قریب	مفصل احکام	تمام حکم	دُعائے مغفرت	بخشش کی دُعا

مسیحیت

پیروکار	پیروی کرنے والے	رجوع	راغب، پلٹ آنا، میلان	حواری	خاص، مددگار
اخلاص	خالص ہونا	پرچار کرنا	تبلیغ کرنا	توکل	بھروسا
ایثار	قربانی	تنازع	جھگڑا	ماخذ	منبع
مصلوب کرنا	پھانسی دینا	روح القدس	تثلیث کا تیسرا جوہر	رُشدوہدایت	سیدھا راستہ

اجتماعی عدل ومساوات

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
برگزیدہ	پسندیدہ	بیڑا اٹھانا	ذمہ لینا	متاعِ کارواں	مُراد قوم کی مال ودولت
احساسِ زیاں	نقصان کا احساس	کدورت	مَیل۔نفرت	سیّدنا	ہمارے آقا، ہمارے رہنما
منحرف ہونا	پلٹ جانا، لوٹ جانا	تفاوُت	فرق، فاصلہ	آوے کا آوا بگڑنا	سب کا خراب ہوجانا
نسلی تعصّبات	نسلوں میں نفرتیں	عجمی	عجم کا رہنے والا	انسانی تعصّبات	انسانی نفرتیں
مراعات	سہولیات	آشتی	صلح، امن	جوہرِ خاص	اصلیت

معاشرتی ادارے

قومیت کے امتیازات	قوم کی خوبیاں	طبقاتی کشمکش	معاشرتی طبقے	کوشاں	کوشش کرنا
سیر وسیاحت	سیر وتفریح	قوانین کا نفاذ	قانون لاگو کرنا	قانون سازی	قانون بنانا
پامال کرنا	برباد کرنا	انحراف کرنا	منع کرنا	تنازع کھڑا ہونا	جھگڑا کرنا
عدلیہ	عدالتی نظام	یگانگت	لگاؤ	مضمر	چھپا ہوا

کام کی جگہ کے آداب

معیوب	عیب دار، بُرا	بصیرت	عقل مندی، دل کی بینائی	تفویض کرنا	ذمے لگانا
چرب زبان	چکنی چپڑی باتیں کرنے والا	عافیت	سلامتی، خیریت	توقیر	عزت
عزتِ نفس	خودداری	عہدہ برآ ہونا	وعدہ پورا کرنا	حُسنِ ظن	نیک گمان
مراسم	تعلقات	استفادہ کرنا	فائدہ اُٹھانا	لعن طعن کرنا	بُرا بھلا کہنا

عبدالستار ایدھی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
روگ	دُکھ، بیماری، وبال	استحصال	لوٹ مار	ڈیفالٹر	قصوروار
پیش قدمی	آگے بڑھنا	راغب ہونا	متوجہ ہونا	توسیع کرنا	پھیلانا
دیہی مراکز	گاؤں کے مرکز	صلہِ وستائش	انعام وتعریف	نشانِ امتیاز	پاکستان کا سب بڑا سول اعزاز

مدر ٹریسا

جذامی	کوڑھ کے مریض	سمبل	علامت	سراپا شفقت	مہربانی کرنا، پیار کرنا
سلطنتِ عثمانیہ	عثمانیہ کی بادشاہت	تدریسی فرائض	پڑھانے کے فرائض	مادرِمہربان	رحم دل ماں
مستعفی ہوگئی	استیفٰی دے دیا	احساس تشکر	شکرادا کرنا	باہمی اشتراک	ساجھداری

جمشید نسروان جی مہتا

سرآنکھوں پر بٹھانا	بہت عزت کرنا	کھاتا پیتا گھرانہ	امیر کبیر خاندان	آنچ آنا	حرف آنا، نقصان ہونا
ہوم رُول	حکومتِ خوداختیاری	ہاری	کاشتکار، مزارع	سکّہ چلنا	شہرت ہونا
بےلوث	بغیر کسی صلّے کے	اُفق پر چھانا	مشہور ہونا	تحفظ	حفاظت کرنا
شجرہائے سایہ دار	ایسا درخت جو سایہ دے	سرگرم ہونا	جوش وخروش سے شریک ہونا	پسماندہ	غریب۔غیر ترقی یافتہ
عنقا	کمی ہونا	ہریجنوں	ہندوؤں کی سب سے نچلی ذات	شب وروز	دن رات

☆☆☆☆